بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پنجتن پاک کے عشق میں

ارشادات

عاشقِ رسول، شاہِ شاہاں، خواجۂ خواجگان، قطب العالم

نقیبِ بے بدل، فقیرِ بے مثال، فقیرِ محمدی، فقیر فانی فی اللہ باقی باللہ

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف افضل سرکار

ناشر

حلقۂ چشتیہ صابریہ عارفیہ

ملنے کا پتہ: ۱۹۸-۱۹۷ مہران ہاؤسنگ سوسائٹی بلاک ۸، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پنجتن پاک کے عشق میں

ارشادات

عاشقِ رسولؐ، شاہِ شاہاں، خواجۂ خواجگان، قطب العالم

فقیرِ بے بدل، فقیرِ بے مثال، فقیرِ محمدی، فقیرِ فانی فی اللہ باقی باللہ

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف افضل سرکار رحمۃ اللہ علیہ

پبلشرز:

حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ

۶۸-۶۷ اوورسیز ہاؤسنگ سوسائٹی، بلاک ۷/۸، کراچی

فہرست

1 - مناجات ____ 7
2 - اظہار تشکر ____ 9
3 - گزارش ____ 10
4 - ختم شریف پنجتن پاکؑ ____ 11
5 - یومِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ____ 44
6 - مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ ____ 51
7 - ختم شریف حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا ____ 82
8 - حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا ____ 97
9 - عالی مقام سیّدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ____ 172
10 - سیّد الشہداء سیّدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ____ 220

اعتبر رضا لائبریری
کتاب نمبر
صدر بازار، لاہور چھاؤنی

سیدنا **محمد** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
مصطفےٰ احمد مجتبےٰ

کرم اللہ وجہہ
سیدنا حضرت مولائے کائنات **علی**

سیدۃ النساء الزہرہ **فاطمۃ** رضی اللہ تعالیٰ عنہا

پنجتن پاک

رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حسن امام عالی مقام

رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حسین امام عالی مقام سید الشہداء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ اَجْمَعِیْنَ

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت جبرائیل نے آکے کہا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اہلِ بیتِ رسُول کی ساری ناپاکی دُور کر کے نہایت پاک وصاف کرے۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت فاطمہ حضرت امام حسن حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ علیہم کو طلب فرمایا۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے برابر بٹھا کر، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اُن کے پیچھے بٹھایا، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ ایک ران پر اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو دوسری ران پر بٹھا دیا۔ ایک گودڑی یا عبا، جس کا رنگ سیاہ تھا اور اس پر سفید لکیریں تھیں، آپ نے وہ عبا اپنے، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سر پر پھیلا دی، اور پھر یہ دُعا مانگی: "یاالٰہ العالمین! یہ آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، اپنی رحمتیں اور برکتیں ان پر نازل فرما۔ بیشک تو سب صفات اور بزرگی کا مالک ہے۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں تو پنجتن پاکؑ کا غلام ہوں

میں تو پنجتن پاکؑ کا غلام ہوں
میں تو پنجتن پاکؑ کا غلام ہوں

مجھے عشق ہے تو خدا سے ہے ۔ مجھے عشق ہے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے
میرے منہ سے آئے مہک سدا ۔ جو میں نام لوں تیرا بھول سے

میں تو پنجتن پاکؑ کا غلام ہوں
میں تو پنجتن پاکؑ کا غلام ہوں

مجھے عشق سرو سمن سے ہے ۔ مجھے عشق سارے چمن سے ہے
مجھے عشق ان کی گلی سے ہے ۔ مجھے عشق ان کے وطن سے ہے

میں تو پنجتن پاکؑ کا غلام ہوں
میں تو پنجتن پاکؑ کا غلام ہوں

مجھے عشق ہے تو علی رضی اللہ عنہ سے ہے ۔ مجھے عشق ہے تو حسن رضی اللہ عنہ سے ہے
مجھے عشق ہے تو حسین رضی اللہ عنہ سے ۔ مجھے عشق شاہِ زمن صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے

میں تو پنجتن پاکؑ کا غلام ہوں
میں تو پنجتن پاکؑ کا غلام ہوں

ہوا تن سے کیسے وہ سر جُدا جہاں عشق ہو وہیں کربلا
میری بات ان ہی کی بات ہے میرے سامنے وہی ذات ہے

میں تو پنجتن پاکؑ کا غلام ہوں
میں تو پنجتن پاکؑ کا غلام ہوں

وہی جن کو شیرِ خدا کہیں جنہیں بابِ صَلِّ علیٰ کہیں
وہی جن کو آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہیں وہی جن کو ذات علی رضی اللہ عنہ کہیں

وہی پختہ ہیں میں تو خام ہوں
میں تو پنجتن پاکؑ کا غلام ہوں

میرا شعر کیا، میرا ذِکر کیا میری بات کیا، میری فِکر کیا
میری بات انکے سبب سے ہے میرا شعر ان کے ادب سے ہے

میں تو پنجتن پاکؑ کا غلام ہوں
میں تو پنجتن پاکؑ کا غلام ہوں

میرا ذکر اُن کے طُفیل سے میری فِکر اُن کے طُفیل سے
کہاں مجھ میں اتنی سکت بھلا کہ ہو منقبت کا بھی حق ادا

میں تو پنجتن پاکؑ کا غلام ہوں
میں تو پنجتن پاکؑ کا غلام ہوں

میں مُریدِ خیر الاَنام ہوں میں مُریدِ خیر الاَنام ہوں

میں تو پنجتن پاکؑ کا غلام ہوں
میں تو پنجتن پاکؑ کا غلام ہوں

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ
وَسَلَّمْ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

نام کتاب ــــــــــــ پنجتن پاک کے عشق میں

ترتیب و پیشکش ــــــــــــ حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ، کراچی

ناشر ــــــــــــ حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ، کراچی

تاریخِ اشاعت	تعداد
رجب المرجب ۱۴۲۳ھ ستمبر ۲۰۰۲ء	۱۰۰۰
ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ اپریل ۲۰۰۸	۳۵۰۰

مطبع

الافضل گرافکس

۱۶۶۔ ایم اے جناح روڈ۔ کراچی۔ فون ۲۶۲۹۹۰۵

e.mail:arfeen@cyber.net.pk

مناجات

اے اللہ کریم ! ہم گناہ گار و خطا کار ہیں۔ ہمیشہ تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور مشکل سے مشکل گھڑی میں تجھے ہم نے پُکارا، تُو نے ہماری پُکار اپنی رحیمی و کریمی کے صدقے میں اور وسیلۂ جلیلہ، اپنے پیارے حبیب صَلّی اللہ عَلیہٖ وآلہٖ وسلّم کا قبول فرما کر ہمیں ہمیشہ اپنی رحمت سے نوازا اور اس مشکل سے نجات دی۔ تُو کریم المعروف ہے، قدیم الاحسان ہے، حنّان و منّان و دیّان ہے، ذوالجلال والاکرام ہے اور عَلیٰ کُلِّ شَیٍٔ قَدِیرُ اور کُنْ فَیَکُوْن کی طاقت رکھتا ہے۔

تیری اس عاجز بندی نے ڈرتے ڈرتے "پنجتن پاک کے عِشق میں" کے عنوان سے اس موضوع پر اپنے مُرشد شاہِ شاہاں، خواجۂ خواجگان قطب العالم، فقیرِ بے بدل، فقیرِ بے مثال، فقیرِ محمدی، فقیرِ فانی فی اللہ باقی باللہ حضرت خواجہ شاہ محمّد افضل قادری، چشتی (صابری، نظامی)، قلندری المعروف "افضل سرکار" رحمتہ اللہ علیہ کے ارشادات کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اب یہ تیری بارگاہِ عالیہ میں نذر ہے۔ اسے شرفِ قبولیت عطا فرما۔ امیدوار ہوں تو مایوس نہیں فرمائے گا۔ کاش یہ تیری اور تیرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خوشنودی کا باعث بنے۔ آمین ! جو جو میری خامیاں ہیں، اُن کو درگزر فرما۔

میرے پاس کوئی عذر نہیں، صرف معافی کی طلبگار ہوں۔

اس کے پڑھنے والے کی حاجتیں اور مُرادیں پوری فرما۔ اُن کو دین کی بھلائی عطا فرما۔ اُن کو اپنی اور حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اور پنجتن پاکؑ کی محبّت عطا فرما۔ یا اللہ! جو شخص بھی حاجتمند ہے وہ اس کو پڑھنے تک ہی اپنے آپ کو محدود نہ کرلے بلکہ اس میں ایسا ذوق وشوق عطا فرما کہ وہ دین کے کسی عالمِ حق کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرکے کلامِ پاک کے معانی اور تفسیر غور سے پڑھے۔ اس کے بعد اس کو توفیق عطا فرما کہ وہ تیری اور تیرے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اطاعت کرے تیری دی ہوئی توفیق سے۔ محض اس نیّت سے کہ تُو اور تیرے حبیبِ پاک (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) اُس سے راضی ہوجائیں۔

دُعاگو اور دُعاجو

رابعہ ثانی

اظہارِ تشکّر

میں اپنی اُن دینی بہنوں اور بھائیوں کی ممنون ہوں، جنھوں نے دامے، درمے، سُخنے اس کام میں میری مدد کی۔ اے اللہ! اُن سب پر اپنے فضل وکرم کی بارش فرما اور انہیں ہر بلائے ناگہانی، آفت، مصیبت، پریشانی، بدنامی، بے عزتی، مُفلسی، محتاجی، بیماری، قرض داری، رُجعتِ دین، ذکر وفکر اور نماز سے غفلت، سے محفوظ فرما اور انہیں اس معاونت کا اجرِ عظیم عطا فرما! آمین

دُعاگو اور دُعاجو

رابعہ ثانی

گُزارش

اِس تالیف میں اگر کہیں زیر، زبر یا کتابت کی کوئی غلطی نظر آئے تو اُسے از راہِ کرم اپنے قلم سے خود درست کر لیجئے گا۔ آپ کی بڑی نوازش ہوگی۔

دُعاگو اور دُعاجو

رابعہ ثانی

ختم شریف

پنجتن پاک

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمّد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف "افضل سرکار" رحمۃ اللہ علیہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ   نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکَرِیْمِ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ   بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

امّا بعد!

عزیزانِ من! یہ ختم شریف پنجتن پاک عالی مقام کا ہے۔ یہ پنجتن پاک کون ہیں۔ حضور نبیؐ کریم، تاجدارِ مدینہ، شفیع المذنبین، رحمتہ اللعٰلمین، سیّد الاوّلین والآخرین، فخرِ موجودات و کائنات، حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم اور اس کے بعد مولائے کائنات، مشکل کشا مظہر الاعلیٰ والاعجاب، اسد اللہ غالب، سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اس کے بعد سیّدۃ النساء والعالمین، حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا، بتول،

خاتونِ جنت عالی مقام، ازاں بعد سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ عالی مقام، ازاں بعد سید الشہداء حضرت حسین رضی اللہ عنہ عالی مقام۔ یہ پانچ مبارک تن ہیں۔

عزیزانِ من! انسان دنیا میں آیا، آنے سے پہلے اس نے اپنے رب سے وعدہ کیا، اور رب کریم نے اپنی رحمت کا صدقہ بانٹا اور اس کو بھولا ہوا سبق وقتاً فوقتاً یاد دلایا۔ وہ سبق یاد دلانے کے لئے مختلف ادوار میں انبیاء کرام مبعوث ہوتے رہے۔ بعض دفعہ ایک ایک وقت میں دو دو نبی اور تین تین نبی بھی آئے۔ وہ کسی خاص قوم کے لئے ہوتے یا کسی خاص ملک کے لئے ہوتے۔

انسان کو پیدا کرنے کی غرض اللہ تبارک وتعالیٰ نے کلام پاک میں فرمادی کہ ہم نے جن اور انسان کو پیدا کیا کوئی غرض نہیں تھی، سوائے عبادت کے۔ پھر فرمایا۔ زندگی اور موت اس لئے پیدا کی تاکہ آزمائیں کہ کون نیک کام کرتا ہے۔

پھر کلام پاک کے شروع ہوتے ہی فرمایا۔ یہ وہ لوگ ہیں، ایک دو، تین، چار، پانچ درجے گنا دیئے۔ جن کو کلام پاک سے ہدایت عطا ہوئی، اور جن کے پاس یہ نہیں وہ گمراہی میں بھٹکتے پھریں گے۔

عزیزانِ من! جس وقت پاکستان بنا تھا، تو اس وقت کہا جاتا تھا کہ مسلمانوں میں تہتر فرقے ہیں۔ اب معلوم نہیں معاملہ کہاں تک جا

پہنچا ہے۔ کئی جماعتیں بن گئیں۔ یہاں تک کہ ایک نے تو نمازیں قربانی وغیرہ سب کچھ غائب کر دیں۔ اور پھر بھی آج دین سے اتنی بے خبری ہے کہ ہمارے اکابرین انہیں مفکرِ اسلام کہتے ہیں۔ یاد رکھو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف ہے کہ یہ علمِ دین جو ہے یہ جب کسی سے سیکھو تو یہ ضرور دیکھ لو کہ کس سے سیکھ رہے ہو۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اُس کا عقیدہ کیا ہے۔

یہ نہ سمجھنا کہ منافقین صرف اُس دور میں تھے۔ اس دور میں پہلے منافقین، مشرکین، کافرین تو باہر کے ہوتے تھے۔ لیکن اب یہ لوگ مسلمانوں کے اندر ہی موجود ہیں اور جب سے پاکستان بنا ہے ایسی کھلی ڈھیل دی ہوئی ہے کہ ان لوگوں کی پرورش ہو رہی ہے۔

آپ دیکھیں کہ جب قائدِ اعظم کا جنازہ رکھا ہوا تھا تو میں نے دیکھا کہ ظفر اللہ قادیانی کو جو فارن منسٹر تھا، جب شامل ہونے کے لئے کہا گیا تو اس نے کہا کہ ہمیں غیر مسلم کے جنازے میں شامل ہونے کی اجازت نہیں۔ دو ٹوک مُنہ پہ کہا۔ پھر "ربوہ" میں زمین ملی۔ ریاست قائم ہوئی۔ پھر بڑے بڑے فوجی افسران کے ذریعے اتنا آرسنل (آتشین اسلحہ) اکٹھا کیا گیا کہ آپ اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ بقول ایک قادیانی اگر ہمارا مقابلہ ہوا تو ہم کئی روز تک فوج سے بھی مقابلہ کر سکتے ہیں۔

تقسیم کے وقت جب یہ لوگ پاکستان لٹے پٹے آئے تو ان لوگوں نے خوب طریقے اختیار کئے۔ ایک جگہ زمین الاٹ کی، یا مکان بیچا، دوسری جگہ پھر کلیم (Claim) داخل کر دیا۔ زمین الاٹ کی، مکان بیچا تیسری جگہ۔ اس سے انسان کی دیانت داری یا امانت داری چھیتڑے چھیتڑے ہوگئی۔ انسان اخلاق باختہ ہوگیا۔ کردار واہی ہوگیا۔ بس ایک چیز پیش نظر تھی۔ دھن دھن۔ من کے دھن کی کسی کو فکر نہ رہی۔ تن کے دھن کے معاملوں میں سب اُلجھ گئے۔

نتیجہ یہ ہے کہ آج اگر ہمارے مذہب پر یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر، یا صحابہ کرام پر کوئی دشنام طرازی کرتا ہے، یا گستاخیاں کرتا ہے تو کوئی نوٹس نہیں لیتا۔ ہاں اگر ان کے کارخانہ میں کوئی فرق آجائے، مال میں کوئی نقصان پیدا ہو جائے تو پھر قیامت آجاتی ہے۔

عزیزانِ من! پہلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیّبہ کے متعلق بہت مختصر بیان کروں گا تاکہ میں اپنے اصلی مقصد کی طرف آؤں۔ میرا دل بہت دکھا ہوا ہے۔ ایک گمراہ شخص نے عید میلاد النبی کے بارے میں کہا کہ یہ کفر و شرک، یہ ہندوانہ رسم ہے۔ اور اس کا کہیں ثبوت نہیں ملتا وغیرہ وغیرہ۔ یہ بدعت ہے۔

یاد رکھو یہ دل میں کبھی خیال نہ لانا کہ عالموں میں منافق نہیں

ہیں۔ صرف ہم میں ہی ہیں۔ نہیں عالموں میں بھی ہیں۔ عالم جب منافق ہوتا ہے تو اللہ کی پناہ! یہ ایک طرف تو درود، صلوٰۃ وسلام کی کتابیں بھی لکھیں گے، اور دوسری طرف دوسری کتاب میں ڈنک بھی مار جائیں گے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کا نچلا درجہ بھی دیں گے۔ دیکھا آپ نے، یہی منافقوں کا کام تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں۔ جب آتے تو کہتے کہ ہم تو آپ کے ساتھ ہیں، اور آخرت پہ ایمان لائے۔ اور اللہ کریم فرماتے ہیں اپنے حبیبؐ کو۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ، کچھ لوگ کہتے ہیں: اٰمَنَّا بِاللّٰهِ (ہم اللہ پر ایمان لائے) وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (اور آخرت کے دن پر)۔ اے میرے حبیبؐ! وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (وہ مومن نہیں ہیں)۔

تو عزیزانِ من! اب بتلائیے، آج کا مسلمان کدھر جائے۔ جس کو نہ اپنے گھر سے دین کی تبلیغ ملی نہ باہر سے، نہ سوسائٹی سے۔ سوسائٹی کا رواج ہے دین کا مذاق اڑانا۔

افسوس کی بات ہے کہ انسان بدکاری، سیاہ کاری کرے۔ حتیٰ کہ آج کسی کی جان بھی محفوظ نہیں۔ جانتے جانتے گولیاں چلا کے معصوم آدمیوں کا ناحق خون کر دیتے ہیں۔ ناحق بچوں کو اٹھا لیتے ہیں یا جگر گوشوں کو اور پانچ پانچ لاکھ، دس دس لاکھ، بیس بیس لاکھ تاوان مانگا جاتا ہے۔ پھر جنگلوں سے ڈکیت آتے ہیں، کھیتیاں برباد کر دیتے ہیں۔ یہ سب

کچھ ہورہا ہے۔ یہ ہماری کمائی ہے۔ اگر ہم ایمان دل سے لاتے تو پھر اللہ اور آخرت کا خوف ہوتا اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کلامِ پاک میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ احسان کیا، یہ نعمتِ عظیم ہے۔

کہتے ہیں کہ میلادِ نبی شرک ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ میلاد تو قرآن شریف میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ "اللہ اور اس کے فرشتے نبی پہ درود بھیجتے ہیں"۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ؕ "اے ایمان والو! اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی درود بھیجو نبی پہ جیسا کہ حق ہے"۔

میلاد شریف میں کیا ہے؟ ہر خوشی، چاہے دنیاوی ہو یا دینی، اظہار مانگتی ہے۔ یہ وہ اظہار ہے۔ یہ اظہار تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ یاد رکھو کہ جب حضور نے دعا فرمائی کہ: "یا اللہ، ابوجہل یا عمر میں سے کوئی ایک میری طرف کر دو تاکہ دین کو تقویت حاصل ہو"۔

تو حضرت عمر اپنے گھر سے بہن کے گھر جاتے ہیں۔ راستے میں ایک صاحب ملتے ہیں جوان کا غصہ دیکھ کے ان سے کہتے کہ کہاں کے ارادے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیوں؟ کہا پہلے اپنے گھر کی خبر

لو" کہا "تمہاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں"۔ غیض وغضب میں آکر وہاں پہنچتے ہیں۔ اندر سے کلام پاک کی تلاوت کی آواز آتی ہے۔ ادھر گھر والوں نے جب دیکھا کہ عمر باہر آئے ہوئے ہیں تو فوراً قرآن پاک لپیٹ دیا، چھپا دیا، تاکہ اس کی کوئی بے ادبی نہ ہو، پھر دروازہ کھولا۔ آپ نے اپنے بہنوئی کو اور اس کے بعد اپنی بہن کو مارنا شروع کیا اور لہولہان کر دیا۔ بہن نے کہا "بھائی ہلاک کردو، لیکن اب یہ ایمان نہیں نکل سکتا"۔

جب بہن کا یہ حال دیکھا تو بھائی کے دل پہ ایک حالت طاری ہوگئی۔ کہنے لگے "مجھے بھی سناؤ! یہ کیا چیز ہے؟" بہن نے کہا "ایسے نہیں، پہلے غسل کرلو، پاک صاف کپڑے پہنو، پھر پڑھو"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے کے وقت وہ سورہ طٰہٰ کی تلاوت کر رہی تھیں۔ جب اسے دوبارہ پڑھنا شروع کیا تو حضرت عمر پہ ایک عجیب حالت طاری ہوگئی اور ان کے دل کی دنیا بدل گئی۔ فرمانے لگے "یہ تو بشر کا کلام نہیں۔ یہ تو کلام ربانی ہے"۔

حضرت عمر وہاں سے چلے تو سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے، وہ گھبرا کے کہنے لگے کہ عمر آگئے ہیں۔ آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، کہنے لگے "آنے دو اگر بری

نیت سے آیا ہے، تو میں تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا"، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندر بلایا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"اے عمر! کب تک لڑائی کرو گے"؟ عرض کی "حضور! آپ کے دست مبارک پر ایمان لانے آیا ہوں"۔ اس پر جتنے بھی حاضرین تھے، سب نے نعرۂ تکبیر یعنی "اللّٰہُ اَکْبَرْ" بلند گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اتنی خوشی ہوئی کہ آپ نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

یہ مولوی نہیں جانتے کہ خوشی اظہار مانگتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد شریف تو ولادت کے وقت ہی ہوئی تھی۔ میں بیان کرتا ہوں اور آپ اسے سمجھیں۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو آپ کے والد کوئی ڈھائی تین مہینے پہلے وصال فرما چکے تھے۔ دادا عبدالمطلب حیات تھے۔ قریش خاندان جو تھا وہ سب سے اعلیٰ قبیلہ سمجھا جاتا تھا۔ آپ کے دادا کو غیب سے آواز آئی کہ "جو پوتا ہونے والا ہے، اس کا نام محمدؐ رکھنا"۔ جب لوگوں نے پوچھا کہ محمدؐ نام کیوں رکھا۔ یہ تو ایک عجیب نام ہے۔ تو کہا کہ یہ اس لئے کہ ہر طرف سے اس کی تعریف کی گئی ہے"۔

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "ولادت کی شب تھی، مجھے چھت میں سے ایک چیز داخل ہوتے ہوئے نظر آئی، مجھ پہ

خوف سا طاری ہو گیا۔ ہیبت سی طاری ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک سفید پروں والا پرندہ آیا اور اس نے وہ پر میرے سینے سے لگائے جس سے میرا خوف جاتا رہا۔ پھر مجھے سفید سی چیز پیش کی۔ غالباً دُودھ تھا۔ مجھے پیاس لگی ہوئی تھی، میں نے وہ پی لیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت ہوئی۔ ولادت ہوتے ہی آپ سجدے میں چلے گئے۔ اور ایک مشت مبارک آسمان کی طرف کی اور فرمایا۔ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنِّیْ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"

پھر آپ نے دیکھا کہ ایک کپڑا ریشمی آسمان سے زمین تک لٹکتا ہے۔ ایک بادل سا چھا گیا، بادل کے چھاتے ہی آپ غائب ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد بادل چھٹ گیا۔ آواز آئی "جن وانس، چرند و پرند، ہر چیز کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کروائی گئی"۔

کہو میلاد ہے کہ نہیں۔ آپ کا آغاز ہی میلاد سے ہوا جو اللہ جلّ شانہٗ نے خود کروایا۔ جن مولویوں کے دل میں کفر ہے، اندھیرا ہے، وہ زندیق ہیں، گمراہ ہیں۔ وہ علم حاصل کرنے کے بعد بھی جاہل ہیں۔ یاد رکھو، جاہل ایک تو وہ ہیں جنھیں تم کہتے ہو اَن پڑھ، ایک بدترین جاہل وہ ہے جو علم حاصل کر کے بھی جاہل ہے۔ اور اگر عالموں میں سے ہے، تو وہ عالم نہیں ظالم ہے، وہ اہلِ علم نہیں

اہلِ خم ہے۔ اس کے سائے سے بھی بچو، اس کا منحوس سایہ اگر پڑ جائے تو دین و دنیا خراب ہو جائیں گے۔

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ "وہ کپڑا کمخواب سے بھی نرم تھا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد مجھے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز آئی اور آدمیوں کی آواز آئی کہ گزر رہے ہیں اور منادی ہو رہی ہے۔ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور بعثت کے بارے میں، ہر جن وانس، ہر چرند و پرند کو آگاہی دے دی گئی"۔

آپ فرمانے لگیں کہ "میں نے کپڑا اٹھایا تو دیکھا آپ ختنہ شدہ تھے اور آپ کی ناف کٹی ہوئی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ صفائی وغیرہ کروں، تو آواز آئی کہ "ان کو صاف کرنے کی ضرورت نہیں ہے"۔

آپ کے دادا عبدالمطلب صاحب نے بڑی خوشی منائی اور دل کھول کے جشن کیا۔ یہ سُن لیں وہ مولوی جن کے دل میں کفر اور اندھیرے ہیں۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ میرے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہے کوئی جو اسے قتل کر دے"۔

صحابی بیٹھے ہوئے تھے۔ پہلے ایک اٹھا، پھر ان کے دل میں خیال آیا کہ مسجد ہے۔ دوسرے کے دل میں بھی یہی خیال آیا۔ حتیٰ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ غالباً اٹھے، تو آپ نے فرمایا کہ تم یہ نہیں

کر سکو گے۔ اتنی دیر میں وہ شخص دُور نکل چکا تھا۔

آپ نے فرمایا "یہ شخص نجد کا تھا۔ نجد سے ایک فتنہ اُٹھے گا (یہ جو وہابی ہیں یہ وہ نجدی ہیں)۔ ان کے سر گھٹے ہوئے ہوا کریں گے، ان کے حلق سے قرآن اندر نہیں جائے گا۔ قالَ قالَ تو کرتے رہیں گے۔"

چنانچہ شریفِ مکّہ کو جب شکست ہوئی تو انہوں نے پہلے یہ کام کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے روضۂ اقدس کو لوٹا۔ اندر سے جو قالین، یا قیمتی چیزیں تھیں سب کچھ اُٹھا لیں۔ پھر اس کے بعد انہوں نے کہا کہ روضہ شریف کو شہید کر دیا جائے۔ ایک خبیث کو اوپر چھت پہ چڑھایا اس کام کے لئے۔ جب وہ اوپر پہنچا تو ایک پھن دار سا سانپ نمودار ہوا اور وہ شخص بے ہوش ہو کے لڑکھڑاتا ہوا نیچے گرا۔ اس کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا۔ سب لوگ خوف کھا گئے اور پیچھے ہٹ گئے۔ تمام مزارات جو ہیں وہ شہید کر دیئے گئے۔ زمین سے ہموار کر دیئے گئے۔

آپ جنت البقیع میں جائیے گا، آپ کو کوئی مزار نہیں ملے گا۔ کوشش تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم (کے روضۂ اقدس کو شہید کرنے کی) کی گئی تھی اور اخبارات میں بھی آتا رہا۔ یہ چھ سات سال پہلے کا واقعہ ہے۔ وہاں سے ایک بزرگ نے اخبارات کی کٹنگ مجھے بھیجی۔

اس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ روضہ شریف کو قبر کہہ کے لکھا کہ "یہ مسجد میں ہونا جائز نہیں، اس کو باہر نکالا جائے"۔

ان پہ ویسے غضب نہیں نازل ہو رہے ہیں۔ قہر یونہی نہیں برپا ہو رہا۔ پھر ایسا ہوا کہ خانہ کعبہ شریف میں بھی ان سے بے ادبی ہوئی۔ تب جا کے یہ سارا حکمران خاندان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر گیا۔ دروازے پر پہنچ کر گریہ کیا، معافیاں مانگیں۔

مگر یاد رکھو! جن کے دلوں میں ایمان نہیں ہوتا ان کی معافی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ معافی ایمان سے ہوتی ہے، اور ایمان تقویٰ سے ہوتا ہے۔ اور تقویٰ عقیدہ سے ہوتا ہے۔ جہاں ایمان نہیں، تقویٰ نہیں، عقیدہ نہیں، کچھ بھی نہیں۔

جنگِ حُنین میں ایک شخص تھا، جس نے کلمہ پڑھا، وہ مسلمان ہوا۔ وہ بڑی بے جگری سے تلوار سے لڑتا رہا، جس سے صحابہ بڑے متاثر ہوئے کہ حضور ان کو دیکھیں۔ میرے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس کو یہ چیز فائدہ نہیں دے گی"۔

صحابہ بڑے حیران ہوئے۔ درحقیقت اس کے اندر ایمان نہیں تھا۔ وہ اپنی نمود و نمائش کے لئے جوہر دکھا رہا تھا۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ وہ بعد میں خودکشی سے مرا۔ حرام موت مرا۔ اس وقت صحابہ نے کہا کہ "حضور! جو آپ نے فرمایا تھا وہ آپ نے نورِ نبوت سے دیکھا

تھا، ہمارے پاس وہ نُور نہیں ہے"۔

عزیزانِ من! حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ابھی تقریباً آٹھ سال کے تھے کہ آپ کے دادا عبد المطلب انتقال فرما گئے۔ آپ کے اور بھی چچا تھے، مگر آپ کے دادا نے آپ کے چچا ابو طالب کو خاص طور پر کہا تھا کہ "ان کا خیال رکھنا"۔

آپ کے چچا نے آپ کو اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ حتیٰ کہ آپ ان کی بیگم کو یعنی اپنی چچی کو ماں ہی کہہ کر پکارا کرتے تھے، اور وہ بھی اپنے بچّوں کو کھانا بعد میں دیتی تھیں پہلے آپ کو کھلاتیں۔ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابھی چھوٹے تھے۔ نبوت کے وقت ابھی سات آٹھ سال کے تھے۔ مردوں میں سے سب سے پہلے جو ایمان لائے تھے، وہ مولائے کائنات، سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔

عزیزانِ من! حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے جنگیں بھی لڑیں، عملی زندگی دکھائی۔ کیوں؟ اس لئے کہ انسان بڑا حجتی ہے۔ کہہ سکتے تھے کہ یہ تو مشکل ہے۔ یہ رکن مجھ سے ادا نہیں ہو سکتا۔ نہیں، آپ نے ہر رُکن ادا کیا۔ حتیٰ کہ مزدوری بھی کی۔

ایک صحابی نے آپ سے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلّم) میں دو دن سے بھوکا ہوں۔ آپ نے فرمایا "میں تین دن سے بھُوکا ہوں"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا "جس کے ذمہ قرضہ ہے اور وہ کچھ پیچھے چھوڑ کے نہیں مرا، اس کی نماز میں نہیں پڑھاؤں گا۔ خود ہی پڑھ لیا کرو"۔

کچھ عرصہ بعد فرمایا "اب اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا ہے، فتوحات بہت آرہی ہیں۔ بیت المال جو ہے وہ بھرا ہوا ہے اور مسلمانوں کا سب سے زیادہ مجھ پر حق ہے۔ جس کا بھی قرضہ ہو وہ میں ادا کروں گا۔ مجھے اطلاع دو"۔ یہ شانِ کریمی تھی۔ یہ شفقت تھی۔ یہ رحمت بھری ادائیں تھیں، جو آپ کی اپنی اُمّت پہ تھیں۔ اور اُمّت نے جو جو کیا، وہ آپ کے سامنے ہے۔ ان کے دلوں کا خبس نہیں گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرماتے ہوئے بھی سیّدنا حضرت حسینؓ، سیدنا حضرت حسنؓ کے متعلق فرمایا کہ "ان کا احترام کرنا میری آل کا احترام کرنا، میری اہلِ بیعت کا احترام کرنا"۔

معاملات آپ کے سامنے ہی ہیں۔ وہی دنیا داری پھر غلبہ کرنے لگی۔ وہی فتنے پھر کھڑے ہونے لگے۔ سوال یہ ہے کیوں کھڑے ہونے لگے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے تو وہ مختلف گروہ تھے یعنی کفّار کا، مشرکوں کا، عیسائیوں کا، یہودیوں کا، بُت پرستوں کا اور منافقوں کا۔ منافق وہ لوگ تھے جنھوں نے کلمہ پڑھ لیا تھا، تاکہ خیریت رہے، ہمیں کوئی سزا نہ دے۔ یہودی تھے،

اور یہودی بڑے پڑھے لکھے عالم تھے۔ ایسے ایسے سوال کرتے کہ مسلمانوں کا ایمان ہل جاتا۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ بقرہ کا نزول فرمایا۔ سورۃ بقرہ ایسی سورۃ ہے کہ اس میں سارے سوالوں کا جواب موجود ہے۔ وہ دم بخود ہو کر سوال کر ہی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ جواب موجود ہوتا تھا۔

تو عزیزانِ من! اس وقت جو یہودی تھے وہ اِس وقت سے بھی بدتر تھے۔ ہیں ویسے یہ بدترین، جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں ان لوگوں کے لئے فرمایا "گائے ذبح کرو، قربانی دو"۔ ان لوگوں نے پوچھا "اے موسیٰ! کون سی گائے؟"۔ آپ نے فرمایا کہ اس طرح کی گائے، تو پھر انہوں نے کہا کہ اس طرح کی گائے تو بہت سی گائے ہیں، ہماری سمجھ میں نہیں آئی، آپ یہ بتائیں کہ رنگ کیسا ہونا چاہیئے۔ اس طرح موسیٰؑ کو پانچ یا چھ دفعہ بھیجا جواب لانے کے لئے۔ آخر میں کہا کہ اب ہمیں سمجھ آئی ہے کہ کون سی گائے ہے، اب ہم کرتے ہیں۔

تو عزیزانِ من! یہودیوں کا وہی مشن تھا، وہی طریقۂ کار تھا، جو آج بھی ہے۔ ان کا ایک خفیہ "ڈاکومنٹ" ہے "پروٹوکول"۔ کبھی وقت ملا تو میں اس سے کچھ اقتباسات سناؤں گا۔ یہ ایک سو سال پہلے مرتب ہوا ہے۔ اس میں ظلم کرنا جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس میں

یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ساری دنیا پہ ہماری حکومت ہوگی۔ ہم اس سے پوری دُنیا کو Strangulate کریں گے۔ یعنی پوری دُنیا پہ غالب رہیں گے۔ اور انھوں نے یہ کر کے بھی دکھایا۔ امریکہ میں دو فیصد یہودی ہیں، مگر امریکہ کا دم گھوٹے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ہم مسلمان انڈیا میں تیس فیصدی ہیں۔ مائنارٹی یعنی اقلیت میں، لیکن ہمیں کوئی پوچھتا نہیں۔

تو عزیزانِ من! اب میں آتا ہوں اصل موضوع کی طرف، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیّبہ پہ۔ بہت لمبی چیز ہے۔ جو بدعت بدعت کہتے ہیں۔ یہ جو شرک کہتے ہیں، میں یہ اپنے روحانی بچّوں اور اپنی روحانی بچیّوں کے لئے بیان کر رہا ہوں، تاکہ وہ ان کے دام تزویر میں نہ آجائیں۔ اس لئے کہ ان بے چاروں کا دینی مطالعہ نہیں۔ ماں باپ نے تربیت نہیں دی، جن اسکولوں کالجوں میں پڑھتے تھے، وہاں مشرکانہ اور کافرانہ ماحول ہے، وہ دین کا مذاق اڑاتے ہیں، تضحیک کرتے ہیں، اس لئے میں یہ چیز واضح کر رہا ہوں۔

بدعت کہتے ہیں دین میں کسی نئی چیز کے نکالنے کو اور وہ چیز جو نکالی جائے، وہ دین کے اگر خلاف ہے، اس کو "بدعت صحیحہ" کہتے ہیں۔ یعنی اس پہ عمل کرنے سے گناہ لازم آجاتا ہے۔ کرنے والا گنہگار ہو

جانا ہے، یہ گناہ ہے، برائی ہے۔

اب یہ جو مولوی عام طور سے کہتے ہیں ''کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ، کُلُّ ضَلَالَۃٍ فِی النَّارِ''

یعنی جتنے بدعتی ہیں گمراہ ہیں اور یہ سب گمراہ لوگ دوزخ کی آگ میں جائیں گے۔ بس فارغ ہو گئے ایک بدعت سے۔

دوسری بدعت ہے ''بدعتِ حسنہ''۔ یہ وہ ہے جو دین کے اندر اچھی بات پیدا کی جائے۔ مثلاً کلامِ پاک میں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اعراب یعنی زبر زیر نہیں دیتے تھے جو بعد میں لگ گئے، یہ بدعت حسنہ ہے۔

اگر سنتِ نبی پر عمل کرنا ہے تو اس کی ایک روشن مثال یہ ہے کہ حضرت شیخ المشائخ، سلطان الفقراء حضرت بایزید بسطامی رح نے ساری زندگی میں خربوزہ نہیں کھایا۔ جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ''میں نے کتب دیکھیں، سارے حوالے دیکھے لیکن مجھے کہیں نہیں ملا کہ میرے پیارے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کس طرح خربوزہ کھایا تو بایزید کیسے کھا سکتا ہے''۔

یہ لوگ باتیں تو بایزید کی کرتے ہیں مگر عمل ان کے شیطانی ہیں۔ کہلاتے تو ہیں رحمٰن کے بندے، حالانکہ اللہ نے کہا ہے ''وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْن

"یعنی شیطان کے نقشِ قدم پہ مت چلو، یہ تمہارا کھُلا دشمن ہے۔"

میں پوچھتا ہوں جو مولوی بدعت بدعت کہتا ہے، وہ اچکن کیوں پہنتا ہے، کیا اچکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنی تھی؟ جو قمیص شلوار جس ٹیلر سے سلواتا ہے، کیا آپ اسی طرح سلواتے تھے؟ اُس نے کار بھی رکھی ہے، کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کار رکھی ہوئی تھی؟ وہ امریکہ میں بڑی سیریں کرتا ہے اور اپنے رسالہ میں اس کی بڑی تعریفیں بھی لکھتا ہے۔ شرم آنی چاہیئے، ڈُوب کے مرنا چاہیئے۔ پلاؤ پوریاں کھائیں اور مولوی بک گیا، خوب تعریفیں لکھی جا رہی ہیں۔ یعنی ادھر تو کہتے ہیں کہ ہم "تشخص پرستی" کو نہیں مانتے اور اپنی بھی تعریفیں ہو رہی ہیں اور ان کی بھی ہو رہی ہیں۔ یہ سب لن ترانیاں گائی جا رہی ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ قوم کو فرصت نہیں ہے۔ خاص طور پہ آج کل کے نوجوان کو۔ ڈسکو ہے، راک این رول ہے سب کچھ ہے۔ مسلمانوں کے گھروں میں جاؤ، ریکارڈ انگریزی گانوں کے ملیں گے۔ عجیب و غریب حال ہے اور ان کو کوئی اور چیز پسند بھی نہیں ہے۔

نماز کا تو نام و نشان نہیں، روزے کا نام و نشان نہیں، زکوٰۃ تو ماں باپ نے دینی ہے، وہ کیوں دیں۔ زکوٰۃ وہی دیتا ہے جو

اللہ کا بندہ ہے اور جس کے دل میں اللہ کا خوف ہے۔ تو جب یہ صورت ہے تو اس بے لگام گھوڑے کو لگام کون دے گا، آپ غور کریں، پاکستان میں علماء کے کتنے گروہ ہیں کبھی یہ مل کے بیٹھے ہیں۔ جہاں کہیں جاتا ہوں علمائے کرام میرے پاس آتے ہیں، ہر فرقے کے آتے ہیں۔ دیوبندی حضرات کو آپ دیکھیں، اُن کا ایک گرُو جو ہے جس کو یہ Quote بھی کرتے ہیں (یعنی حوالہ دیتے ہیں) حالانکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں گستاخی کی۔ یہ لوگ ان سے یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ اس نے یہ کیوں لکھا ہے کہ نماز میں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا خیال آجائے تو گدھے اور بیل سے بھی بدتر ہے۔ اور یہی گرو جو حکیم الامت بھی کہلائے، اس کا مرید جب لکھتا ہے کہ "حضور! میں جب نماز پڑھتا ہوں، آپ ہی سامنے آجاتے ہیں۔ ہر وقت آپ ہی سامنے رہتے ہیں"۔ تو جواب یہ ملتا ہے کہ "یہ محبت ہے"۔

دوسرا جو ہے وہ بہت بڑا گرو بنتا۔ اس عالم کے بارے میں اس کا ایک مرید بے قابو ہو کر کہتا ہے، نام لے کر ان کے گاؤں یا شہر کا کہ "اس کی گلیوں میں تئیس ۲۳ سال پکارتا رہا، ان کو معلوم نہیں" یہ اتنے ظالم لوگ ہیں کہ جب ان کی باری آتی ہے تو اس کو ناموس نہیں سمجھتے، یہ میں آپ کو یقین سے بتا رہا ہوں۔ ان کے ایک بڑے

گروسے پوچھا گیا کہ "کیا رحمت اللعالمین" کسی اور کو بھی کہا جا سکتا ہے"؟ فتویٰ دیکھئے۔ کہا "ہاں، کہا جا سکتا ہے"۔ آپ کو کیا پتہ کہ کیا کیا ظلم نہیں ہوئے ہیں۔ کتابیں پڑھیں تو علم حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فیصلہ کر دیا ہے کہ "تمہارے لئے زندگی کا جو نمونہ قائم کر رہا ہوں وہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اسوۂ حسنہ ہے"۔ اور ان کی شان میں یہ بھی فرمایا کہ

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ

"یعنی ہم نے نہیں بھیجا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مگر سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر"۔

اور ایمان والوں کے لئے کہا کہ "آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) انہیں کہہ دیجئے کہ اگر یہ چاہیں کہ اللہ ان سے پیار کرے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کریں"۔

پھر فرمایا "اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی"۔

اور آگے فرمایا "اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ" یعنی جو تم میں حکومت والے ہوں"۔

تو کیا یہ شرک نہیں ہوا؟ اپنے لئے بھی کہا اطاعت کرو اور رسول کے لئے بھی۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ۔ محمد رسول اللہ ساتھ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ علیحدہ بھی

کہا جاسکتا تھا۔ کیا خیال ہے یہ شرک نہیں ہوا؟

سورۂ یوسف میں ہے کہ سیّدنا یوسف علیہ السلام کہا گیا کہ آپ کے والد آپ کے فراق میں رو رو کے اندھے ہو گئے ہیں، اُن کی بینائی ضائع ہوگئی ہے تو آپ علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا "لے جاؤ یہ کرتا میرا اور ڈالو اس کو مُنہ پر میرے والد کے چلا آئے آنکھوں سے دیکھتا ہوا"۔

یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کے حکم سے بینائی لوٹ آئے گی۔ تو ان کے حساب سے یہ بہت بڑا شرک ہوا، پڑھ لیں کلام پاک، کھول کے دیکھیں۔

کلام پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اے محبوب! اگر یہ اپنی جانوں پہ ظلم کریں اور ہمارے پاس آئیں اور توبہ کریں، اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی سفارش کریں"۔ دیکھئے یہ وسیلہ ہے۔ تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سفارش کرنے والا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وصال فرمائے عرصہ ہوا ہے۔ ایک بدّو روضۂ اطہر پر جا کر کہتا ہے "یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے اپنی جان پہ ظلم کیا ہے۔ میں توبہ کرتا ہوں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حضور حاضر ہوا ہوں اور توبہ کرتا ہوں، آپ میری شفاعت

فرماتیں "روضۂ اطہر سے بلند آواز آئی "اللہ توبہ قبول کرنے والا

ہے، تمھاری شفاعت کی گئی"۔

یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ حکیم سنّائی رحمتہ اللہ علیہ کے

مزار پہ جا کے یہ سب دیکھیں کہ آپ نے یہ فرمائش کی کہ "یارسول اللہ

(صلی اللہ علیہ وسلّم) میں نے آپ کی روحانی زیارت تو کی ہے، میں آپ

کے دستِ مُبارک کی زیارت کرنا چاہتا ہوں"۔ تو روضۂ اطہر سے

دستِ مُبارک نمودار ہوا۔

ایک اور درویش کا واقعہ ہے کہ جب حج ختم ہو جاتا اور وہ

مدینہ شریف کی زیارت سے واپس جانے لگتے تو کہتے "آقائی،

مولائی، سیّدی! چہ می فرمائید۔ یعنی میرے آقا و مولا و سردار، کیا

حکم ہے میرے لئے؟ آواز آتی "بہ سلامت روی و بہ سلامت

بازمی آئی"۔ یعنی خیر سے جاؤ اور خیر سے واپس آؤ۔ جب چھ دفعہ

کے بعد ساتواں حج کیا اور کہا "آقائی و مولائی و سیدی، چہ می

فرمائید"، تو کوئی جواب نہیں آیا۔ آپ سمجھ گئے کہ میں اگلے سال

نہیں آؤں گا۔

تو عزیزانِ من! ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے والد صاحب

کے متعلق بھی شبہ تھا۔ لیکن جب مسجد نبوی کی توسیع ہوئی اور اس

مقصد کے لئے وہاں موجود قبریں کھودی گئیں تو اس میں حضور صلی اللہ

علیہ وسلّم کے والد کی قبر بھی تھی، تو جب قبر کو کھولا گیا، اُن کا جسدِ مُبارک ایسا تھا جیسے کل دفنایا گیا ہو۔ کیوں؟ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے والدین مقدس و عظیم تھے۔ آپ جیسا نبی کوئی نہیں تھا۔

عزیزانِ من! حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ کہا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مٹی پھینکی تو فرمایا "آپ نے نہیں پھینکی، اللہ نے پھینکی"۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے عمل کو اپنا عمل قرار دیا۔ جب صلح حدیبیہ کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر اہلِ مکّہ کے پاس بھیجا۔ افواہ پھیل گئی کہ آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ حالانکہ آپ کو شہید نہیں کیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فوراً ایک درخت کے سائے میں بیٹھ کر تمام صحابہ کو بلایا۔ ہر ایک سے بیعت لی اور پھر خود فرمایا "عثمان یہاں نہیں ہے، یہ میرا ہاتھ ہے اور یہ عثمان کا ہاتھ ہے"۔ یہ فرما کر اپنے ایک ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھ دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ہو گئی۔

یاد رکھو! بیعت بڑی چیز ہے۔ آج اگر لوگ بیعت پر قائم رہتے، تو میں سچ کہتا ہوں اتنے گمراہ نہ ہوتے، بے شک ماڈرن ہو جاتے سب کے سب لیکن ان کے بڑھاپے خراب نہ ہوتے کیونکہ

پیر کا دیا ہوا سبق اور ہے اور استاد کا دیا ہوا سبق اور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس کے گلے میں بیعت نہیں، وہ قیامت والے دن اُن لوگوں میں ہوگا جو جاہلیت کی موت مریں گے۔ اور جس کے گلے میں بیعت ہے وہ کامیاب ہوگا۔"

کیونکہ جب بیعت کرتے ہیں تو یہ بیعت سیدھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ تک پہنچتی ہے۔ آپ کہتے ہیں فلاں کا ہاتھ فلاں کے ہاتھ میں، فلاں کا ہاتھ فلاں کے ہاتھ میں۔ یہ ہوتے ہوتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہے۔ اور آگے خدا، پھر جو مُرشد آپ کو تھوڑے سے اوراد دیتا ہے وہ آپ کرتے رہتے ہیں اور ساتھ ساتھ دنیا بھی کماتے رہتے ہیں۔ جب دنیادار عملی زندگی سے فارغ ہوتا ہے یعنی ریٹائرمنٹ پر آتا ہے تو بڑھاپا اسے کھانے کو دوڑتا ہے، کیونکہ نوجوان نسل نہ اس کو قبول کرتی ہے اور نہ اس کی صحبت کو۔ اس لئے کہ اب تو نوجوانوں کے پاس بوڑھوں کے لئے وقت ہی نہیں ہے۔ تو اس وقت یہ اوراد کے شغل کام آتے ہیں۔ پھر آپ خود دل لگا کر وظائف کو بڑھاتے ہیں۔ تلاوت بھی کرتے ہیں۔ نُور بھی آتا ہے اور دنیا سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ پھر کوئی پریشانی آپ کے دل پر اثر نہیں کرتی۔

بیعت کا ایک چھوٹا سا فائدہ بتاتا ہوں۔ اس سلسلہ کے اندر

ہزاروں درویش گزرے ہیں۔ یہ بزرگ سلسلہ کے مریدوں کے لئے روزانہ دعا کرتے رہتے ہیں۔ یہ بتائیں کہ کیا اس کی کوئی قیمت ہے جو آپ ادا کر سکتے ہوں۔

دل کی صفائی مرشد کی تعلیم سے ملتی ہے۔ دین اور شریعت کا علم عالم سے ملتا ہے۔ عالم آپ کو علم دیتا ہے اور مرشد آپ کے ایمان کی حفاظت کرتا ہے، یعنی مرشد سے حفاظت ملتی ہے۔ اب جبکہ پیری اور مُریدی ختم ہوگئی او پیروں نے بھی دھندا بنالیا۔ کانفرنسیں بنائیں، پریزیڈنٹ منتخب ہوئے، وائس پریزیڈنٹ ہوئے ـــــ انفارمیشن سیکریٹری ہوئے، جنرل سیکریٹری ہوئے، سیاست میں آئے۔ علماء کا بھی یہی حال ہے کہ وہ سیاست میں آگئے ہیں۔

عزیزانِ من! سیاست کسے کہتے ہیں۔ ڈپلومیسی کسے کہتے ہیں۔ مغربی سیاست کیا ہے؟ دھوکہ دینا، فریب دینا، دوسرے کا حق چھیننا وغیرہ وغیرہ، یہ سیاست ہے۔ اسی لئے ان کا جو کلمہ ہے، وہ یہ ہے کہ سیاست میں کوئی "حرفِ آخر" نہیں ہوتا۔ یعنی ہم اتنے بڑے منافق ہیں کہ جب جی چاہے بدل لو۔

تو عزیزانِ من! میں نے کہا کہ میں تمہارے گرو مودودی سے ملا ہوں۔ اس نے کارندوں اور داڑھی پہ نہ جانے کیا لگائی ہوئی تھی۔ جو چمک رہی تھی۔ کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ جب میں گیا تو میرے

ذہن میں ایک عالم کے بارے میں کچھ اور تخیّل تھا۔ لیکن جب میں ان سے ملا تو سرننگا اور کوسٹل چیئر پر بیٹھے ہوئے تھے، جو اس وقت یہ ارسٹو کریسی (طبقۂ اشرافیہ) کی نشانی ہوتی تھیں۔ جب میں بیٹھا تو انہوں نے کوسٹل چیئر کو دھکا دیا اور گھوم کے میری طرف ہو گئے۔ میں نے دل میں کہا۔ ”واہ مولانا! بڑے مزے ہیں۔ یعنی خود تو جو جی میں آئے کریں، اور ایسے دریدہ ذہن ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ناموس پر حملہ کرتے ہوئے ان کو حیا ہے نہ شرم۔

وہ پوچھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت پر یہ جشن کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پر درود بھیجا جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیبہ بیان کی جاتی ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو رُوح کو جِلا دیتی ہیں، دل کو بلندی عطا کرتی ہیں۔ کاش یہ چیزیں قائم رہتیں۔ لیکن اب نہ عالمِ حق مل رہے ہیں اور نہ مردانِ حق۔

اس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں جو کچھ ہو رہا ہے۔ انسان کی نہ عزت محفوظ، نہ جان محفوظ نہ مال محفوظ۔ ہم اپنے اتنے بڑے گھر میں ہیں، ہمیں اتنا نہیں پتہ کہ ہم صبح زندہ اٹھیں گے، ہمیں یہ نہیں پتہ کہ ہمارا اماں ہمارے پاس رہے گا۔ باہر نکلتے ہیں تو ہمیں نہیں پتہ کہ کوئی ہمیں ویسے ہی بے گناہ گولی

مار دے۔ ہمیں یہ نہیں پتہ کہ ہمیں کوئی اٹھا کے لے جائے، ہمیں برغمالی بنا دے۔ غرضیکہ جس محکمہ میں جاؤ کرپشن۔ پہلے کہتے ہیں پیسہ دو۔ کہیں اگر چھینک بھی آپ کی نکل جائے تو کہتے ہیں کہ اس پر بھی سو روپیہ رکھ دو۔ اس قدر کرپشن ہو گئی ہے۔ تو ٹھیک کیسے کہتے ہو۔ کراچی کی بیوٹی فکیشن (تزئین) کے لئے اتنے کروڑ کا خرچ کرنا ہے۔ ارے بندۂ خدا، جس کے لئے کر رہا ہے، وہ تو رو رہا ہے۔

آپ دیکھیں کہ دہلی کے اندر کل ڈیڑھ لاکھ کا مجمع جلوس کی شکل میں تھا۔ وہ شور مچا رہے تھے کہ چھ بلین امریکہ سے لے لئے، ہم پھر بھی بھوکے ہیں، ہم پہ کیوں نہیں خرچ کرتے، وہ ڈالرز کہاں ہیں؟

پیرس میں تین لاکھ کسانوں کی ڈیمانسٹریشن تھی مہنگائی کے خلاف۔ یوگوسلاویہ میں کیا ہو رہا ہے۔ زائرے میں کیا ہو رہا ہے۔ پانامہ میں کیا ہو رہا ہے۔ غرضیکہ آپ دیکھیں جتنے بھی ممالک ہیں سب کے سب کتنی بڑی مصیبت میں ہیں۔

عزیزانِ من! آج سے ساٹھ برس پہلے میرے سامنے کی بات ہے کہ کسی نے کسی شخص سے کہہ دیا کہ تو مجھے "بے پیرا" معلوم ہوتا ہے۔ وہ شخص غصے سے سرخ ہو گیا، یعنی بے پیرا ہونا ایک گالی سمجھی جاتی تھی۔

تو عزیزانِ من! میں نے ان علماء سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو دیکھو۔ ایک ہی سال میں ابو طالب صاحب کا انتقال ہوا اور اس کے تین دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھی وصال ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا غم ہوا کہ آپ نے فرمایا کہ "یہ غم کا سال ہے"۔

میں نے ان سے کہا کہ اتنے واقعات ہوتے ہیں، اتنے الہامات ہوتے ہیں، اتنے خواب نظر آتے ہیں، اتنی نشانیاں دکھائی دیتی ہیں، لیکن کوئی اپنا مذہب چھوڑنے کو تیار نہیں۔ ان میں قادیانی بوہری، آغاخانی، پرویزی اور دوسرے گروہ شامل ہیں۔ اسی طرح شیعہ بھی ہیں۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور صحابہ کرام کی بھی، لیکن ہدایت کی توفیق نہ ہوئی۔

میں نے ان کو ایک واقعہ سُنایا جو تقسیم ہند سے پہلے ایک گاؤں میں رونما ہوا تھا۔ جاٹ قوم بڑی وضعدار ہوتی ہے، بڑی مہمان نواز ہوتی ہے، بڑی خوبیاں ہیں ان میں۔ لیکن ان کے متعلق کچھ محاورے بھی ہیں کہ جاٹ اور کھاد کا صحیح یقین نہیں۔ اور یہ کہ جاٹ بڑا میٹھا میوہ ہے، لیکن یہ جھڑتا چناروں سے ہے۔

لیکن ان کی مہمان نوازی، مجھے اتفاق ہوا ہے اس کا۔ جان چھڑانی مشکل ہوگئی تھی۔ صبح اگر کوئی ان کے ہاں آگیا، تو ناشتہ بڑا

پُر تکلف، یعنی مکھن، لسّی، انڈے، پراٹھے وغیرہ۔ اور ابھی بارہ ایک بجے ہیں کہ کھانے کا وقت آ گیا۔ بہترین لذیذ کھانا، پھر شام کو چائے اور پھر رات کو کھانا آ گیا۔ اس کے بعد بہترین ریشمی نیا بستر لگا ہوا ہے۔ ادھر آپ لیٹے اور منکر نکیر آ گئے۔ پوچھا کیا بات ہے؟ کہا اجی دودھ لایا ہوں۔ دودھ پی لیں۔ آپ نے کہا کہ بھئی گنجائش نہیں۔ کہا "نہیں جی، چودھری صاحب ناراض ہو جائیں گے۔ نہیں جاؤں گا، جب تک نہیں پئیں گے"۔ دیکھیں اتنی مہمان نوازی ہے۔

تو کسی جاٹ کی لڑائی ہو گئی ایک سکھ سے۔ سکھ نے کرپان دے ماری، تو مونڈھے پہ لگی اور زخم ہو گیا۔ پھر جاٹ نے سکھ کو نیچے گرا لیا، اور کرپان چھین کر جب اسے مارنے لگا تو سکھ نے کہا کہ "تجھے واسطہ ہے پیغمبر صاحب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا، نہ مار، بخش دے مجھے"۔ جاٹ نے کہا "اچھا، پیغمبر صاحب کا واسطہ دیا ہے، چھوڑ دیا"۔ اس کے ایک ماہ بعد جب زخم خراب ہو گیا تو جاٹ نے کہا "ہم نے تو اتنا کچھ کیا، ایک مہینہ گزر گیا ہے، ہمارا زخم بھی خراب ہو گیا ہے۔ لیکن ہماری کسی نے خبر تک نہیں لی"۔

آنکھ لگی تو دیکھا مولائے کائنات، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں یاد کیا؟" اس نے کہا کہ "یہ زخم میرا خراب ہو گیا ہے"۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کچھ پڑھا،

زخم پر پھونک ماری اور پھر فرمایا، "حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو سامنے کھڑے دیکھ رہے ہو، وہ تینوں صحابی بھی ساتھ کھڑے ہیں، وہ بھی آتے تمہارے پاس، لیکن تم حُقہ پیتے ہو، اس کی بدبو ہے"۔ صبح اٹھا تو دیکھا کہ زخم بالکل ٹھیک ہے۔ اس نے سارے گاؤں کو بتایا۔ سارے گاؤں والوں نے حُقّے توڑ دیئے، شیعوں کو بھی سُنایا۔ وہاں تو معاملہ ٹھیک ٹھیک ہے صاحب، ٹھیک ٹھیک بیٹھتے ہیں۔ لیکن یہاں جو مولوی کے ہتھے چڑھ گیا، اس کے لئے اس کے اثر سے نکلنا مشکل ہے۔

مسلمان تو چاہتے ہیں کہ ایک ہوں، لیکن مولوی نہیں ہونے دیتے۔ نہ شیعہ مولوی، نہ سُنّی مولوی اور نہ کوئی مولوی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس شخص کو اللہ نے عقل دی ہے، پاگل نہیں ہے، ذی شعور ہے، تو وہ یہ نہ معلوم کرے کہ صحیح طریقہ کون سا ہے، اُس کا کوئی عذر قبول نہیں۔ اگر وہ اپنی روزی کما سکتا ہے تجارت کر سکتا ہے تو صحیح طریقہ اور عقیدہ بھی اختیار کر سکتا ہے۔

مجھ سے کہنے لگے کہ فرقہ کون سا سچا ہے، میں نے کہا فرقہ وہ ہی سچا ہے، وہی نجات دینے والا ہے جس میں مردانِ حق ہوں۔ صرف درویش نہیں، درویشانِ حق ہوں۔ میں نے کہا ایسا نہیں کہ انہوں نے صرف گودڑی پہنی یا سر مونڈھا۔ ان میں عُلمائے حق

ہوں۔ یہ سچا فرقہ ہے۔ اب تمھاری مرضی، سمجھو نہ سمجھو۔ لیکن مولوی تھے اُن کو اتفاق و اتحاد پسند نہیں تھا۔

تو اسی طرح میں شرک کے متعلق کہے دیتا ہوں، بدعت کے متعلق بھی کہہ دیا کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبت میں کچھ کرتے ہیں تو یہ عین ثواب ہے۔ اس لئے کہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ محبت والوں کا درود میں خود سُنتا ہوں۔ اور دوسرے میرے جو اُمتی ہیں اُن کا درُود پیش کیا جاتا ہے۔ اس لئے شرک کے متعلق بھی بڑی غلط فہمی ہے، سُن لو اچھی طرح۔ ہر بات شرک نہیں۔

شرک اسی وقت ہے جب آپ کسی کو اللہ کے برابر سمجھیں، اس کی پوجا یا عبادت کریں۔ بس اتنی سی بات نوٹ کرلیں، لمبے چوڑے مسئلوں میں مت جائیں۔

بہت لمبا ہو گیا خطاب۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ کافی بچے جو آئے ہوئے ہیں، میرے محب اور عقیدت مند۔ جو مجھ سے محبت رکھتے ہیں، جہاں کہیں بھی ہوں، ان سب پر اللہ تعالیٰ کرم فرمائے۔ اُن کے بچّوں کو سعادت مند بنائے، ان کی مصیبتیں دُور کرے، پریشانیاں دُور کرے، اُن کو سیدھا راستہ دکھا دے، نجات والا راستہ۔ جو بھٹکے ہوئے ہیں، گمراہ ہیں،

جن کو نفس اور شیطان نے جکڑا ہوا ہے، ان کے دلوں کو نرم کر دے۔
ان کے دلوں میں رِقّت عطا کر دے، تاکہ ندامت کے چند آنسو
بہا سکیں، توبہ صحیح کر سکیں۔

اے اللہ! ہم سب کو، جو بھی مجھ سے محبت کرنے والے ہیں،
حاضر ہیں یا غائب، جو بھی میرے بچے ہیں۔ بچیاں ہیں اس سلسلہ
کی، ان سب پہ کرم فرما۔ انجام بخیر فرما، عذاب قبر، عذاب حشر،
نزع کی سختیوں سے محفوظ فرما۔ ہر بلائے ناگہانی، آفت، مصیبت،
پریشانی، بے عزتی، حادثہ، مفلسی، محتاجی، بیماری، قرضداری، سب
سے محفوظ فرما۔

قبضِ قلب سے محفوظ فرما، نماز کی غفلت سے محفوظ رکھ،
ذکر و فکر کی غفلت سے، تصورِ شیخ کی غفلت سے محفوظ رکھ۔
اے اللہ کریم! ہمیشہ کرم کی نظر سے دیکھیو۔

یا حیُّ یا قیوم، ثبّتنا علی الایمان، ثبّتنا علی الصلوٰۃ
اللّٰھم ثبّتنی علیٰ صراطٍ مستقیم ط اللّٰھم ثبّتنی علیٰ
تلاوت قران و ذکرک و شکرک حسن عبادت رَبِّ
زِدْنِی عِلْمًا رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا یا دلیل المتحیرین ط
رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ
النَّارِ وَقِنَا عَذَابَ الْقَبْرِ، وَقِنَا عَذَابَ الْحَشْرِ وغفر

اے اللہ! میری رابعہ کے درجے بلند فرما۔ اس کی رونقیں اسی طرح قائم و دائم رکھنا۔ اس کے روحانی درجے کو برقرار رکھنا، مراتب بلند فرما۔ اس کو اولاد کی طرف سے خوشیاں عطا فرما....، کاروبار میں برکت عطا فرما۔ دشمنوں کے شر سے محفوظ فرما، اس کو مستجاب الدعواۃ بنا، تیری مخلوق کے لئے۔ یہ جو بھی دُعا کرے اسے قبول فرما۔ اس کے فیضان کو وسیع فرما۔ تیری یہ عاجز بندی ہے۔

اے اللہ! اسے صحت عطا فرما، تندرستی عطا فرما، تاکہ تیری طرف زیادہ دھیان دے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ط رَبَّنَا
وَتَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ط ٥
وَصَلَّ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا
مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ
بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ط

یومِ علی کرم اللہ وجہہ

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمّد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف "افضل سرکار" رحمۃ اللہ علیہ

۴، مارچ ۱۹۹۴ء

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِهِ الْکَرِیْم

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَمَّا بَعْد

عزیزانِ من!

یہ سالانہ ختم شریف، حضور مولائے کائنات، مشکل کشاء سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کا ہے۔ ہم خوش نصیب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق دی کہ ہم یہ محفل منعقد کرا دیں اور اپنی طرف سے کچھ پیش کر سکیں۔ ورنہ وہاں تو کسی چیز کی کمی نہیں۔ آپ کے مناقب اور مراتب کو بیان کرنے کے لئے ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ راتیں گزر جائیں، دن بیت جائیں اُن کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ نے جو بھی چیز پیدا کی ہے، اس میں درجے رکھ دیئے ہیں۔ مثلاً بعض پہ بعض پر فضیلت۔ جیسے کلام پاک میں ارشاد فرمایا کہ بعض

رسولوں کو بعض رسولوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے جو ساتھی ہیں، اُن میں بعض کو بعض پہ فضیلت ہے تو آپ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابی ہونے کے علاوہ آپ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے اور بھی رشتے ناطے تھے۔ مثلاً یہ کہ آپ چچازاد بھائی تھے، آپ ایک ہی نسل سے تھے۔ پھر آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے چچازاد بھائی ہونے کے علاوہ آپ اُن کی نہایت ہی پیاری بیٹی سیّدہ فاطمۃ الزہرا، خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے خاوند بھی تھے، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے داماد بھی تھے۔

اور اللہ جل شانہ نے آپ کو یہ شرف بخشا کہ آپ دو عظیم شخصیتوں کے باپ ہیں۔ یعنی سیدنا امام حسن رضؓ اور سیدنا امام حسین رضؓ کے۔ استاد کی عظمت کا پتہ شاگرد سے کیا جاسکتا ہے۔ پیر کی عظمت کا پتہ مُرید سے لگتا ہے۔ تو آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد خلفائے راشدین میں چوتھے ہیں۔ آپ کو تھوڑا سا موقع ملا، شورشیں اور یورشیں زیادہ تھیں۔ یاد رکھو کہ خلافت یا بادشاہت کے لئے کچھ صفتیں ہونی چاہئیں، کچھ سے میری مراد بنیادی صفات۔ مثلاً ایک بادشاہ میں حکمت ہونی چاہیئے، دانائی ہونی چاہیئے، یعنی وہ حکمت و دانائی کا سرچشمہ کہلائے، دوسرا اس میں عدالت ہونی چاہیئے یعنی عادل ہو، تیسرا اس میں شجاعت ہونی چاہیئے، یعنی وہ بہادر ہو، چوتھا اس کے پاس علم عمل کے ساتھ ہونا چاہیئے اور رحم کو بھی ہاتھ سے جانا نہیں دینا چاہیئے، آپ میں یہ ساری چیزیں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ آپ

کی ان چیزوں کے بارے میں آپ کے دور کی تاریخ کا کوئی بھی ورق اٹھا کر دیکھیں عجیب عجیب واقعات ملیں گے۔ آپ کی خوبیوں سے یہ ظاہر ہے کہ باطن میں بھی آپ کا اعلیٰ مقام ہے، کیونکہ آپ کو منبعٔ ولایت کہا جاتا ہے اور اگر ولایت ملتی ہے کسی صوفی یا سالک کو تو اس کے درجے کے مطابق۔ بعض کو ازل سے عطا ہوتی ہے، یا اگر پہلے ولایت مل چکی ہو تو اسے ترقی ملتی ہے اور ترقی کی منزل پر آکر پھر اس کی باطنی پوسٹنگ (تعیناتی) ہوتی ہے لیکن حاضری سب کو دینا پڑتی ہے۔ یہ غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کو آگے جا کے..... لیکن باطنی ہونی چاہیئے۔ ....

یہ میں آگے چلنے والے مسافروں کی بات کر رہا ہوں۔

اگرچہ آپ کا دورِ حکومت مختصر تھا اور آپ کو زیادہ وقت نہ مل سکا لیکن پھر بھی آپ نے ______ اپنے سخت سے سخت وقت میں بھی جوانمردی کا مظاہرہ کیا، ہمت اور صبر سے کام لیا۔ یہ جفائیں تھیں یہ ظلم تھے جو آپ پر ڈھائے گئے۔ لیکن خلافت کے امور اچھی طرح چلائے۔ امیر معاویہ آپ کے مقابلہ پہ تھا۔ اس نے متوازی حکومت قائم کر لی تھی۔ آپ چوتھے خلیفہ تھے اور ان چاروں کی خلافت کو خلافتِ راشدہ کہا جاتا ہے۔ یعنی سچی خلافت۔

اس کے بعد پھر ملوکیت آئی جو امیر معاویہ نے قائم کی اور پھر اس کے بعد بادشاہت چلی، تو بادشاہت کے اندر جو تاریک پہلو ہے، وہ آپ سمجھ سکتے ہیں۔ پھر اسلامی حکومتی نظام میں جمہوریت نہیں رہی، شورائیت

نہیں رہی، کہ داناؤں کے مشورہ سے حکومتی امور چلائے جائیں۔ اس میں تعداد کی کوئی اہمیت نہیں۔ وہاں جو دانا لوگ تھے، ان کی رائے سے حکومت چلائی جاتی تھی۔ اب دانا کون ہے؟ یہ لوگ تقویٰ میں ایک مقام رکھتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ جلّ شانہٗ نے کلام پاک میں اس کا معیار مقرر کیا ہے۔ فرمایا۔ انا اکرمکم (الخ)

"اللہ کے ہاں تم میں سے بڑا وہ ہے جو تقویٰ میں بڑھ کر ہو"۔

ذات پات پہ نہیں ہے۔ ایک موچی بھی اپنے تقویٰ سے بڑا بن سکتا ہے۔

میں ایک دفعہ اسلام آباد گیا، وہاں ایک کوٹھی تھی، اسے لوگ دیکھنے جاتے تھے، جس طرح نوادرات دیکھتے ہیں۔ میں اس کے مالک کو جانتا تھا وہ ریٹائرڈ چیف انجینئر تھے۔ خیر ہم شام کے وقت گئے، اُن کی ایک لڑکی تھی وہ مجھ سے کہنے لگی "انکل! آپ کو درویشوں کا شوق ہے۔ ہمارے ہاں ایک بابا آتے ہیں، اب وہ آنے والے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو (مل لیجئے) مگر ہم لوگ امیر آدمی ہیں اور وہ ذات کے موچی ہیں"۔ میں نے کہا "بے بی یہ آپ نے کیا بات کی"۔

میں نے پھر اُسے وہ واقعہ سُنایا کہ ایک درویش تھے۔ ابھی وہ نوجوان ہی تھے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے مزار پر آپ نے حاضری دی۔ سوچتے رہے کہ سب باتیں ٹھیک ہیں، مراتب وغیرہ میں، لیکن ایک بات جو مجھ میں ہے وہ اِن میں نہیں۔ میں سیّد ہوں، یہ سیّد نہیں، تو اسی وقت اللہ تعالیٰ کی

طرف سے حکم ہوا کہ ان کی تعلیم کا سلسلہ بند کر دیا جائے۔

آواز آئی ؎

ہر کہ عاشق شُد جنابِ ذات را

او است سیّد جملہ موجودات را

یعنی جو اللہ کی ذات پر عاشق ہو گیا وہ سارے جہان کے لئے سید ہے، اس کے بعد، وہ ولی تھے بڑے پلے کے۔ ان کے دل کی طرف نگاہ ہوئی۔ کہنے لگے "اے صاحبزادے، آپ کا مرض شق القلب ہے۔ جو سرکار صلی اللہ علیہ وسلّم کا حکم تھا، وہ میں نے پہنچا دیا۔ یعنی آپ کی تعلیم گئی"۔ اور بات یہ ہے کہ انا اکرمکم ... (الخ) کی تفسیر اس سے بہتر نہیں ہو سکتی۔

تو وہ بزرگ آئے۔ میں اُن سے ملا، بڑے باکمال بزرگ تھے۔ خان بہادر صاحب کے یہاں لڑکا نہیں ہوتا تھا۔ ساٹھ سال کی عمر ہو گئی تھی اُن کی۔ تو اس بیٹے نے ان کی دوسری شادی کرا دی۔ بہت امیر تھے، ایک نوجوان لڑکی سے شادی کروا دی۔ اس نے بابا سے دُعا کروائی۔ بابا نے کہا۔ انشاءاللہ تمھیں کامیابی ہو گی تو اس آخری عمر میں انہیں فرزند عطا ہوا۔ یہ اس بزرگ کی کرامت تھی جو دن میں سڑک پہ بیٹھ کے موچی کا کام کرتے تھے۔

بہرحال اب آگے تک معاملہ چلا۔ سازشیں یہی تھیں کہ آپ کو یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شہید کر دیا جائے۔ چنانچہ سازش مکمل

ہوگئی۔ ایک سازشی قاتل آیا۔ آپ فجر کی نماز پڑھنے جب مسجد میں پہنچے تو اُس نے بھرپور وار کیا۔ اس وقت موجود لوگ اس سے لڑتے، لیکن اس کے پاس تلوار تھی، یہ نہتّے تھے۔ آگے سے ایک آدمی آیا، اس نے فوراً ہمت کی اور چادر ڈال دی اس پر۔ چادر ڈال کر اس کو بے بس کر دیا۔ آپ نے فرمایا: شکر ہے اللہ کا۔ آج میں کامیاب ہوگیا۔

آپ کی شان یہ تھی کہ مسجد میں آ کے فرماتے تھے کہ مجھ سے آسمانوں کے راستے پوچھو۔ میں انہیں اس طرح جانتا ہوں جس طرح زمین کے راستوں کو۔ میں جب تک اپنے سامنے اپنے رب کو نہیں دیکھتا نماز نہیں پڑھتا، پھر فرمایا کہ میں اگر چاہوں تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے چالیس اُونٹ لاد دُوں۔ بہادری کا یہ عالم تھا کہ جب خیبر کا بڑا قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو عَلَم دیا اور فرمایا "یہ تمھارے ہی ہاتھوں فتح ہوگا" پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شمشیر انہیں دے دی جس کا نام تھا "ذوالفقار" یہ آپ کو انعام کے طور پر دی۔

چنانچہ آپؓ نے زبردست حملہ کیا اور یہودیوں کا قلعہ اکھاڑ کے رکھ دیا۔ اور فقر کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ آپ کو کُرتے کی ضرورت پڑی۔ تو آپ نے اپنی تلوار بیچ ڈالی۔ جب سرکاری کام کر چکتے تو دیا بجھا دیتے تھے۔ اپنے گھر میں غربت تھی لیکن جب کسی کی تکلیف کے بارے میں سُنتے اسی وقت جس کی ضرورت وہ پوری کر دیتے۔

پھر آپ کا وصال ہوگیا۔ آپ کا عہد جو تھا وہ پُر آشوب تھا۔ آپ

کے لئے بڑی تکلیفیں تھیں۔ اہل بیت کو بڑی تکلیفیں دی گئیں۔ آپ کے صاحبزادوں یعنی امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام دونوں کو شہید کر دیا گیا اور اس فکر میں کہ کہیں حکومت نہ چلی جائے، یزید نے حضرت امام حسن علیہ السلام کی بیوی کو اپنے ٹوٹے چڑھا دیا۔ یزید نے اس سے کہا کہ میں تم سے شادی کروں گا اگر امام حسن علیہ السلام راستے سے ہٹ گئے، اس نے حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر دے دیا۔ جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے۔ آپ کے جگر کے ٹکڑے ہو ہو کر پاس ہونے لگے۔ اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہا" بھائی تم دیکھ رہے ہو۔ انہوں نے کہا" جانِ برادر! یہ تو بتائیے کہ آپ کو زہر کس نے دیا۔ آپ نے جواب دیا کہ تمہارا مطلب ہے کہ میں ایک اور فتنہ کھڑا کر دوں"۔

اس کے بعد آگے واقعۂ کربلا رونما ہو گیا۔ ملوکیت قائم ہو گئی، بادشاہتیں چلتی رہیں، لیکن نام امیر المومنین ہی چلتا رہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات اور مراتب کو مزید بلند فرمائے۔ آمین

مولائے کائنات، **حضرت علی** کرم اللہ وجہہ

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ مُحمّد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف "افضل سرکار" رحمۃ اللہ علیہ

۱۵ مئی ۱۹۹۷ء

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکَرِیْمِ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عزیزانِ من!

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے انتہا کریمی ہے اس عبدِ غریب پر کہ آج موقع عطا ہو رہا ہے کہ مجھے ایک عظیم المرتبت ہستی، مولائے کائنات، مُشکل کُشا، مظہر العجائب والغرائب، اسد اللہ غالب سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کی شان میں کچھ مدح بیان کرنے کی توفیق عطا ہوئی۔

عزیزانِ من!

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم، جن پہ ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں، اربوں کھربوں درود وسلام ہر لمحہ، ہر لحظہ، کے پردہ فرمانے کے بعد یہ ضروری ہو گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کوئی نائب منتخب کر لیا جائے۔

نامزد نہ کیا جائے بلکہ منتخب کر لیا جائے اور اس انتخاب کے لئے جو اوصاف حمیدہ و جلیلہ کی جو ضرورت تھی وہ مجلس شوریٰ کے افراد تھے، وہ اتنے زاہد و متقی و پرہیز گار تھے کہ ان کی نظر میں انتخاب کے معاملہ میں خطا کھانے والی نہیں تھیں۔ پہلے جو نائب ہوئے وہ امیر المومنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ عالی مقام ہوئے۔ جن کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک دفعہ فرمایا۔" میں نے سب کے احسان چُکا دیئے سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کے۔ اور قیامت والے روز ہی ان کا حساب چُکایا جائے گا۔" آپ، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے رفیقِ غار بھی تھے اور پھر ساتھ ساتھ رہے۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے دل میں یہ سوچا کہ آج میرا اور ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کا مقابلہ ہے۔ یہ ایک غزوہ تھا، جس کے لئے لوگ پیش کر رہے تھے جو، اُن کے پاس تھا۔ حضرت عُمر رضی اللہ عنہٗ آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دریافت فرمایا۔ "کیا لائے ہو؟" عرض کیا "جتنا میرا مال و متاع تھا اس کا نصف لایا ہوں۔" اور وہ حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ پھر آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ سے دریافت فرمایا تو انھوں نے کہا۔ "جو کچھ بھی میرے پاس تھا وہ میں لے آیا ہوں۔" تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے بڑی حیرت سے پوچھا۔ "اے ابوبکر، گھر میں کیا چھوڑ آئے ہو؟" چونکہ آپ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے محبت کا تعلق تھا، آپ نے جذب اور مستی میں کہا۔ "یارسُول اللہ! گھر میں، میں اللہ اور رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کے آیا ہوں۔" یہ سُن کر حضرت عُمر رضی اللہ عنہٗ نے دل میں سوچا کہ آئندہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہٗ سے کبھی مقابلہ نہیں کروں گا۔

جب حضرت ابوبکر کا وصال ہوا تو حضرت عُمر رضی اللہ عنہ نائب ہوئے یعنی امیر المومنین ہوئے۔ آپ نے اُن کی بیوہ سے عقد کرلیا۔ دوسرے روز آپ نے پوچھا "مجھے کچھ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے شغل کے بارے میں بتاؤ"۔ تو انھوں نے کہا "پچھلے تین پہر رات کے وہ یادِ الٰہی میں گزارتے اور فجر کو ایک سانس لیتے تو اُس سے اُن کے جگر کے جلنے کی بُو آتی تھی جیسے گوشت جلنے کی"۔ تو آپ نے کہا "اور تو سب کام میں کرسکتا ہوں، لیکن ابوبکر کی طرح میں جگرسوختہ کیسے ہوسکتا ہوں۔ میں اپنا جگر کیسے جلاؤں"۔ پھر کہا "میں نے آپ کو طلاق دی۔ میری شادی کی غرض و غایت یہی تھی کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ سے معلوم کروں"۔

حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کے فہم و بصیرت کا یہ حال تھا کہ اکثر آپ کوئی رائے دیتے تو کچھ دنوں بعد اسی کے مطابق وحی آجاتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم فرمایا کرتے کہ میرے بعد اگر نبی ہوتا کوئی تو وہ عُمر رضی اللہ عنہ ہوتے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ شان تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اس سے اللہ تعالیٰ بھی حجاب کرتے ہیں تو میں اس سے حجاب کیوں نہ کروں"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی پہلی بیٹی کا عقد اُن کو دیا، جن کے وصال کے بعد دوسری کا دیا۔ وہ بھی وصال فرما گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "اگر میری تیسری بیٹی بھی ہوتی تو وہ میں عثمان کو دیتا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ان دو بیٹیوں کی شادی کی وجہ سے آپ کو عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کہا جاتا تھا "دو نُور" اس کے بعد آپ کا وصال جس طرح ہوا وہ بڑا دردناک ہے۔

عزیزانِ من!

جہاں سلطنت ہوتی ہے وہاں فتنہ بھی ہوتا ہے۔ اب دیکھئے اگر آپ کسی کو فتح کرتے ہیں گھر اکھاڑتے ہیں، تو یہ معمولی بات نہیں ہے مسلمانوں کی شمشیریں نکلیں، دعوتِ حق دی، جنھوں نے مانا انھوں نے اسلام کو قبول کیا، جنھوں نے نہیں مانا تو ان کو ذمّی قرار دیا اور انھیں جزیہ ٹیکس دینا پڑتا۔ جس کے بعد ان کی جان، مال، عزّت، ہر ایک چیز کی حفاظت حکومت کے ذمّہ ہو جاتی، اُن کی مرضی کہ دونوں میں سے کوئی چیز قبول کرتے۔ لیکن اگر دونوں میں سے کوئی بھی صورت قبول نہ کرتے تو پھر اُن پر تلوار اُٹھائی جاتی۔ یہودیوں کی بہت بڑی سازش تھی۔ یہ ایک ایسی قوم ہے کہ اگر آپ اُن کا Protocol پڑھیں تو آپ حیران رہ جائیں گے۔ اس کے ایک سو کے قریب پوائنٹس ہیں۔ اس میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ساٹھ، ستّر، اسّی یا سو (۱۰۰) سال کے بعد اُن کو ساری دُنیا پہ حکمرانی کرنی ہے اور دیکھئے وہ اسی پروٹوکول کے مطابق چل رہے ہیں۔ اُن کے آدمی گیس چمبر میں بھی گئے۔ مگر جو اُن کا پروگرام تھا اس نے جڑ پکڑ لی اور جڑ کیا ہے؟.....

امریکہ یہودیوں کا غلام ہو چکا ہے، تو جس کا امریکہ غلام ہے اس کی ساری دُنیا غلام ہے۔ یہودی بذاتِ خود کوئی طاقت نہیں ہے۔ اس وقت اگر عرب ممالک، جو چالیس کے قریب ہیں کھڑے ہو کر پیشاب کر دیں تو اُن کے پیشاب میں یہ بہہ جائیں گے لیکن ایسا نہیں ہے۔

اگر آپ انور سادات کے Memoirs پڑھیں، مصر کا جو پریذیڈنٹ

تھا، جو پہلے ائیر فورس ہیں تھا وہ لکھتا ہے کہ " میرے دل میں ایک ارمان تھا کہ میں یہودیوں کے غرور کے بُت کو پاش پاش کردُوں، یعنی اُن کے اندر جو Invincibility کا آئیڈیا ہے کہ "Nobody conquers them" should be settled to the ground.

اس کے بعد وہ لکھتا ہے کہ جہاں جتنی بھی کمانڈ تھی وہ میں نے اپنے ہاتھوں میں، یعنی ذاتی کمانڈ میں لے لی۔ پھر میں نے خود آرڈر دینے شروع کر دیئے، کمانڈر جنرل کی حیثیت سے۔ تین دن کے اندر اسرائیلیوں نے گھٹنے ٹیک دیئے اور آہ و بکا ہوگئی جس کے بعد امریکہ کی فوجیں فوراً ایکشن میں آگئیں۔ آدمی حقیقت پسند تھا لہٰذا آگے لکھتا ہے کہ اب تو میں امریکہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ چنانچہ ایسی صورت ہوئی کہ انھوں نے

کیا اور کچھ نقصان بھی ہوا۔ تو اس وقت بھی یہودی امریکہ کے بَل بوتے پر ساری دُنیا کو ناچ نچا رہا ہے۔ یہ آج سے نہیں، شروع سے ان کی فطرت یہی ہے۔ انھوں نے نبیوں کو بھی بڑا تنگ کیا۔ جب اسلام پھیلا، دعوت دی گئی تو اس وقت کُفّار بھی تھے، مشرک بھی تھے، بُت پرست بھی تھے، مجوسی بھی تھے، آتش پرست بھی تھے، عیسائی بھی تھے۔ مگر سب سے زیادہ فتنہ پرور اور خطرناک قوم یہودی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں عالم بہت تھے اور پڑھے لکھے بہت تھے، ان کی ذہنی ارتقاء جو تھی وہ ایک مقام یہ تھی، سازشی دماغ تھے اور سازشیں تیار کرتے تھے اور ان سازشوں سے انھوں نے ناک میں دم کر رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو انھوں نے آخری دم تک چین

نہیں لینے دیا۔ ان میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جنھوں نے زبان سے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" تو پڑھ لیا لیکن دل سے وہ پکے منافق تھے۔

ایک یہودی تھا جس کا نام عبداللہ بن سباح تھا وہ نہایت ہی خطرناک، نہایت ہی شاطر اور چالباز تھا۔ یہودیوں کے سامنے یہ چیز تھی کہ مسلمانوں کو کس طرح شکست دی جائے تو انھوں نے سوچا کہ پہلے ان کی تعمیرِ شخصیت یعنی Character development کو روک دیا جائے۔ وہ کس طرح کیا جائے؟ انھوں نے فیصلہ کیا کہ ان کے دل اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت نکال دی جائے۔ جب وہ جذبہ ہی نہیں رہے گا اور وہ نورِ ایمان ہی نہیں رہے گا تو پھر یہ گاجر مولیاں ہم صاف کر دیں گے۔ اس منصوبہ کو مدِّ نظر رکھ کے وہ آگے بڑھے اور اس مقصد کے حصول کے لئے انھوں نے سوچا کہ مُسلمان بن کے اُن کے عقائد اپنائیں اور اُن کے اندر داخل ہو جائیں۔ پھر اُن کے عقیدوں میں اپنے بھی فاسد عقیدے ساتھ ساتھ شامل کرتے رہیں۔ کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا کرتے رہیں، جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم بشر ہیں، یہ نُور نہیں ہیں، فلاں ہیں، وہ ہی تو کرتے ہیں، اور جب یہ صورت ہو گی، اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبت نہیں رہے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے اہلِ بیت کی محبت بھی نہیں رہے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "میں تمھارے درمیان دو بہت ہی عمدہ چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم ان دونوں کو تھامو گے تو گمراہ کبھی نہیں

ہو گئے۔“

جب اللہ اور رسولؐ کی محبت نکل گئی تو شبہات شروع ہو جائیں گے۔ سورۂ بقرہ کی شانِ نزول کیا ہے؟ یہ کلام پاک کی سب سے بڑی سورۂ ہے۔ یہ نازل اس واسطے ہوئی کہ مدینہ شریف میں مسلمان تو پڑھے لکھے تھے ہی نہیں۔ اُن کی تعلیم ابھی شروع کی ہی تھی۔ تو وہ جب مسلمان آئے گروہ در گروہ، تو اُن کے اندر اپنے دو تین آدمی چھوڑ دیئے اور وہ کلامِ پاک کے بارے میں، اسلام کے بارے میں ایسے ایسے پیچیدہ سوال کریں کہ اُن کے بس کی بات نہیں تھی کہ جواب دیں، وہ آ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو بتاتے۔ بڑی پریشانی ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ جن کو اسلام کے لئے تیار کیا جا رہا ہے وہ دیواریں منہدم کی جا رہی ہیں۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۃ بقر کا نزول فرمایا اور جتنے یہودیوں کے سوال تھے اور جتنے انھوں نے کرنے تھے، سب کے جواب اس میں موجود ہیں۔ جب سورۃ بقر کا نزول ہوا تو یہودی بھاگ گئے، میدان چھوڑ گئے کہ اب ہماری دال نہیں گلے گی لیکن اندر اندر لگے رہے۔

ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے جو اہلِ بیت ہیں اُن کی فضیلت بالکل مٹا دو تا کہ لوگ بھول جائیں۔ جب اللہ و رسولؐ کو بھولیں گے تو انھیں بھی بھولیں گے۔ چنانچہ ہر خلیفہ کے وقت انھوں نے بڑے طوفان نازل کئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت جو ہے (قصہ لمبا ہے یہاں صرف اشارتاً کہتا ہوں) کہ آپ کلامِ پاک کی تلاوت کر رہے تھے، آپ کے گھر پہ حملہ ہوا اور

حضرت حسن علیہ السلام اور حضرت حسین علیہ السلام کچھ لوگوں کے ساتھ باہر تھے ، انھوں نے مقابلہ کیا اور زخمی بھی ہوئے ، پھر حملہ آور اندر آگئے تو ان میں سے ایک شخص نے آپ کی داڑھی پکڑلی ، آپ کلام پاک پڑھ رہے تھے ۔ جب آپ نے نگاہ اُٹھائی تو دیکھا کہ یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا لڑکا تھا ۔ آپ نے بس اتنا ہی کہا " بھتیجے آج اگر تیرا باپ زندہ ہوتا تو اُسے یہ فعل کرتے ہوئے بڑی شرم آتی ۔ وہ کبھی نہ کرتا ،، بس اسی بات نے چوٹ ماردی ، داڑھی سے ہاتھ ہٹالیا اور چپکے سے گھر سے نکل گئے ۔ دو اور شخص تھے انھوں نے حملہ کیا ۔ مدینہ شریف میں فتنہ انگیز لوگ پہنچ چکے تھے ۔ آپ شہید ہوئے ، اُس وقت کلام پاک کی یہ آیت پڑھ رہے تھے ۔ " فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ٥ "

ترجمہ :۔" اور اللہ کافی ہے ، وہ سُننے والا اور جاننے والا ہے ،،

آپ کی لاشِ مُبارک تین دن تک پڑی رہی ۔ دفن کرنا پرابلم تھا ۔ تین دن کے بعد اندھیرے میں آپ کی لاش لے جائی گئی ۔ کُل سترہ آدمی تھے ۔ اس کے بعد خلیفۃ المسلمین کو بنانا تھا کسی کو ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو تھے وہ گوشہ نشین ہو گئے تھے ۔ لوگوں نے یلغار کی کہ آپ امیر المومنین بنیں ۔ آپ نے کہا " میں ہرگز نہیں بنوں گا ۔ آج تمھیں میرا خیال آگیا ۔ مجھے ضرورت نہیں ہے ۔ مجھے امارت کی ضرورت نہیں ہے ، کسی عہدے کی ضرورت نہیں ہے ،، ایسا کیوں تھا ؟ یہ میں آگے بیان کروں گا ۔ کیونکہ آپ فقر کے بادشاہ تھے ، معرفت سے آپ کا سینہ اتنا لبریز تھا کہ آپ منبعِ معرفت تھے ۔ اس لئے ولایت جو ہے ، جب تک مولائے کائنات

سے اس کی منظوری نہیں ہوتی، اُس وقت تک وہ تسلیم شدہ نہیں ہوتی جب لوگوں نے بہت مجبور کیا تو پھر آپ نے قبول کیا۔

شام میں امیر معاویہ بائیس تیئس برس سے حاکم تھا یعنی گورنر تھا۔ آپ نے اسے خط لکھا کہ انصار اور مہاجرین نے مجلسِ شوریٰ میں مجھے امیرالمومنین منتخب کیا ہے اور انھوں نے سُنّتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کی چلی آرہی ہے، اسی کے مطابق کیا ہے۔ اس واسطے امیرالمومنین کی حیثیت سے اب تم پر واجب ہے کہ تم میری اطاعت کرو اور یہاں آکے بیعت کرو۔"

امیر معاویہ نے ایک خط میں لکھا "بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم اوپر منجانب امیر معاویہ"، اور بس۔ خالی کاغذ واپس کر دیا۔ تو خیر میں نے تمہید کے طور پر ضروری سمجھا کہ بتاؤں کہ بتاؤں آپ نے کن حالات میں عہدہ سنبھالا۔

جونہی آپ نے امیرالمومنین کی ذمہ داری سنبھالی، شور اٹھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ کے قتل کا بدلہ لیا جائے۔ اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی جذباتی ہوگئی تھیں۔ اُن کو غلط حقائق دیئے گئے اور لوگ بھی تھے اُن کو بھی غلط رائے دی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ اوّل تو میں ابھی بیٹھا ہوں۔ میرے پاس ایسی قوّت نہیں کہ میں اُن کی سرکوبی کر سکوں۔ دوسرا میں جب تک ملزم کی تصدیق نہ کر لوں کہ یہ ملزم ہے میں اسے سزا نہیں دے سکتا، اس کا قتل اس وقت واجب ہوگا جب پورے ثبوت فراہم ہو جائیں کہ یہ قاتل ہے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہٗ

نے جب تصدیق کی تو حضرت عثمانؓ کی زوجہ محترمہ نے کہا کہ میں نے حضرت ابوبکر کے بیٹے کو دیکھا تھا دو اور لوگ تھے۔ آپ نے اُن کو طلب کیا، انھوں نے کہا کہ میں قتل کے ارادے سے گیا تھا، لیکن جب میں نے داڑھی پکڑی تو انھوں نے یہ جملہ کہا تو مجھے شرم آگئی اور میں چھوڑ کے باہر چلا گیا اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا" ہاں یہ صحیح ہے کہ یہ چھوڑ کے چلا گیا تھا، مجھے معلوم نہیں کہ باقی دو آدمی کون تھے جنھوں نے قتل کیا۔

خیر، میں نے آپ کو بتایا کہ کن حالات میں آپ امیر المومنینؓ بنے تھے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ میں آپ کی حیاتِ مُبارکہ کے متعلق تعارف کروں۔ عزیزانِ من! دوسرے مذاہب میں چھوٹے بچے بھی اپنی تاریخ سے واقف ہیں۔ اُن سے اگر ذرا گفتگو کریں تو آپ حیران ہو جائیں گے۔ ہمارے بچّے جو ہیں وہ صرف مسٹر ہی رہ گئے ہیں۔ گھر یلو تعلیم دلائی تو ہے۔ لیکن اگر کوئی انھیں دین سے گمراہ کرنے کے لئے مل جائے تو وہ آنِ واحد میں اُن کے ہم خیال ہو جائیں گے۔ پھر گئے وہ ہاتھ سے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت ابو طالب کے صاحبزادے تھے اور ابو طالب حضرت عبد المطلب کے صاحبزادے تھے۔ قریش قبیلہ میں ایک بنو ہاشم اور ایک بنو امیّہ، یہ دونوں لڑیاں عبد المناف سے ہیں۔ امیر معاویہ بنو امیہ سے تھے اس لئے بنو امیّہ کہلاتے تھے۔ لیکن شروع سے ان دو قبیلوں کے درمیان چشمک چلی آرہی تھی۔ امیر معاویہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے بہت قریب تھا اور کاتبین وحی میں سے یہ بھی

ایک تھا۔

مختلف صوبوں کے لوگوں نے آکے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کے عامل، گورنر بہت ظلم کرتے ہیں۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سب سے بڑا الزام تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ آپ لوگوں کو سمجھائیں۔ آپ گئے اور پھر واپس آکر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کہا "اے برادر عزیز! بڑی شورش مچی ہوئی ہے۔ لوگوں میں بے چینی ہے۔ وقت کا تقاضہ ہے کہ آپ کے جو امیر ہیں یا اُمراء ہیں، یا حاکم ہیں اُن کا مواخذہ سختی سے کریں اگر وہ سزا کے قابل ہیں تو انھیں سزا بھی دیں۔"

بات یہ تھی کہ ان میں زیادہ جو عامل تھے وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے۔ آپ نے ایک ٹیم بھیجی۔ اس نے آکے رپورٹ دی کہ آپ سے جو یہ کہا جا رہا، یہ شکایات غلط ہیں، ایسا نہیں ہے، سب ٹھیک ہے۔ پھر ایک دفعہ جب بلغار کرکے یہ چڑھ آئے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس دوبارہ آئے اور کہا "اے علی کرم اللہ وجہہٗ میری قرابت داری بھی ہے تجھ سے۔" آپ نے کہا ٹھیک ہے۔ فرمایا "میرا تم پہ کوئی حق بھی ہے۔" آپ نے کہا یہ بھی ٹھیک ہے۔ پھر کہا "یورش ہوئی ہے، لوگ وہاں چڑھائی کر بیٹھے ہیں اور کچھ ایسی صورت نکالیں کہ صُلح ہو جائے۔ اور وہ واپس چلے جائیں۔" آپ نے کہا "میں نے آپ کو کتنی دفعہ کہا تھا کہ آپ کے جو عامل ہیں انھوں نے اندھیر نگری مچائی ہوئی ہے، اس وقت تو آپ نے میری بات نہیں سُنی۔ آج جب یہ مصیبت کھڑی ہو

گئی ہے تو اب آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں"۔

اس پر عثمان غنی رضی اللہ عنہ کہنے لگے "نہیں میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا"۔ پھر آپ دوسری دفعہ گئے اور آپ نے لوگوں کو سمجھایا، لیکن انھوں نے آپ کی بات نہیں مانی۔ اس پر آپ نے جلال میں آکر اپنا عمامۂ فضیلت جو سر پہ تھا، وہ اُٹھا کر پھینک دیا اور وہاں سے چلے آئے۔ آپ نے حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے فرمایا "بیٹا اپنی شمشیریں نکال لو اور عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کرو"۔ چنانچہ وہ دونوں اور کچھ اور لوگ ساتھ چلے گئے۔

حضرت ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے چچا تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم "دُرِّ یتیم" ہو گئے اور والدہ کا بھی انتقال ہو گیا پھر اس وقت جب حضرت عبدالمطلب کے انتقال کا وقت آیا تو انھوں نے اپنے بیٹوں کو اکٹھا کر کے کہا کہ "محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم کا خیال رکھنا یہ مجھے بڑا پیارا ہے، اس کو کوئی تکلیف نہ ہو"۔ ایک نے کہا مجھے دیجئے، دوسرے نے کہا مجھے، تیسرے نے کہا مجھے، ابوطالب نے کہا "میرا حق زیادہ ہے"۔ چنانچہ انھی کے سپرد کر دیا۔ ان کی بیگم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کو اتنا پیار کرتی تھیں کہ ماں سے بھی بڑھ کر، پہلے آپ کو کھلاتی تھیں اور اس کے بعد اپنی اولاد کو۔ قضائے الٰہی سے وہاں خشک سالی ہوئی، قحط پڑ گیا۔ اس وقت تنگی ہو گئی، آمدنی کے ذریعے محدود ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو آپ کے چچا تھے، سے کہا "دیکھو چچا ابوطالب آج مصیبت میں ہیں، کیوں کہ اُن کی اولاد کافی ہیں، اخراجات کافی ہیں، کیا یہ اچھا نہ ہو

گا اگر ہم ان کا ہاتھ بٹائیں"۔ آپ نے کہا بالکل ۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا " ابھی تو میں بھیجتا ہوں، اس کے بعد آپ ان کا خیال رکھیں ۔ اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ چھوٹے سے تھے ۔ حضرت علیؓ کی والدہ وصال سے پہلے اسلام لاچکی تھیں ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا احترام تھا کہ جب ان کا وصال ہوا ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہہ بند مبارک اُن کے اُوپر ڈال دیا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو دفنانے سے پہلے کچھ دیر تک اُن کی لحد میں لیٹے رہے جب بعد میں پوچھا گیا تو فرمایا " دُنیا میں عورتوں میں جو سب سے محترم میرے لئے ہے وہ فاطمہ ہیں ۔ جس کو میں ماں کہتا ہوں ۔ میں نے چوغا اس لئے ڈالا تاکہ اُس کو جنّت میں خلعت عطا ہو اور قبر کی زمین پر اس لئے لیٹا تاکہ اس کو قبر کے اندر کوئی تنگی محسوس نہ ہو"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوطالب سے بھی بڑی محبت تھی ۔ کیوں کہ آپ اُن کے ساتھ رہے ۔

سخت مصیبت میں ساتھ دیا ۔ جب حقہ پانی بند کر دیا ، تو وہ بھی منظور کیا تو جب ان کا وقت قریب آیا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ " چچا ، کیا ہی اچھا ہو اگر آپ اسلام لے آئیں " ۔ کہنے لگے " میرے پیارے بھتیجے ۔ مجھے کوئی عذر نہیں ، لیکن اب اگر اس وقت کہوں گا ، تو میں سارے قریش کے طعنوں کا نشانہ بنوں گا " ۔ دوسری روایت یہ ہے کہ سانس جب نکلنے کا وقت آیا تو ان کی زبان پر کلمہ طیبہ جاری تھا ۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت عطا ہوئی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ چھوٹے ہی تھے۔ انھوں نے ایک دن دیکھا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کچھ پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے بڑے غور سے دیکھا، پھر پوچھا "آپ دونوں کیا پڑھ رہے ہیں؟" حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "مجھے نبوّت پہ اللہ تعالیٰ نے فائز کیا ہے اور کفر و شرک سے منع کرنے کے لئے کہا گیا ہے اور تبلیغ کے لئے کہا گیا ہے۔"

اس پر حضرت علی رضؓ نے کہا "اچھا، میں بھی اپنے والد صاحب سے پُوچھ لوُں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کہا "نہیں، ابھی نہیں، اگر تمھارے دل میں کوئی شک یا رکاوٹ ہے تو کوئی بات نہیں، جب دُور ہو جائے گی، تب! مگر ابھی اعلان کا وقت نہیں، جب اعلان ہو گا پھر"۔ مگر آپ رات بھر سو نہیں سکے۔ ایک نور کا طوفان موجزن تھا۔ صبح اُٹھتے ہی آپ نے کہا "مجھے آپ مسلمان بنا دیں"۔ تو بچّوں میں سب سے پہلا جو مسلمان ہوا تو وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کرم اللہ وجہہ تھے۔ عورتوں میں سب سے پہلے جو مسلمان ہوئیں وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ تھیں۔ مَردوں میں جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے، وہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ تھے۔ اس کے بعد حضرت زید بن حارث رضؓ تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے عجیب رنگ کھلنا شروع ہوئے۔ اب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا "اے میرے نبی، اب کھُل کے تبلیغ شروع کی جائے۔ اور لوگوں کو میرے عذاب سے ڈرایئے اور تبلیغ اپنے عزیز و اقارب میں شروع کیجئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کوہِ صفا پر گئے، لوگوں کو اکٹھا کیا،

اُن سے کہا، "تم مجھے پہچانتے ہو!" انھوں نے کہا جی ہاں! تم امین ہو، صادق ہو۔" پھر فرمایا، "تو پھر سُن لو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے نبی بنا کر تمھاری طرف بھیجا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ میں تمھیں دعوتِ حق دُوں۔ تم شرک اور کفر کو چھوڑ دو۔" ابولہب کو بڑا غصہ آیا۔ طیش میں آکر کہا، "کیا تو نے ہمیں اس لئے بلایا ہے یہاں پر؟"

اُس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پھر اپنے قبیلے کی دعوت کی، اس میں کل چالیس آدمی تھے، اُن کو خطاب کیا لیکن کسی نے حامی نہیں بھری۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ غصے میں آکے کھڑے ہو گئے اور کہا، "میں اسلام لاتا ہوں۔ اگرچہ میری ٹانگیں پتلی پتلی سی ہیں اور میں چھوٹا ہوں۔ قد چھوٹا ہے، لیکن آپ مجھے اپنا یار و مددگار پائیں گے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کہا، "تم بیٹھ جاؤ۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دو دفعہ کہا، کسی نے حامی نہیں بھری۔ سوائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پھر کہا، "تم بیٹھ جاؤ! تم میرے والی بھی ہو اور تم میرے وارث بھی ہو۔ تم میرے وارث بھی ہو۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دیکھا کہ اتنی سختیاں کر دیں، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ساتھ نہیں چھوڑا۔

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا مکان تھا کوہِ صفا کے نیچے۔ اس کو مرکزِ تبلیغ بنایا گیا۔ اور جب حج کا موقع ہوتا تو قبیلے آتے مکّہ میں طواف کرنے کے لئے۔ اس وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم مختلف قبیلوں کے خیموں میں جاتے، دعوتِ حق دیتے، تو ابولہب پیچھے پیچھے اُن کے جاتا اور کہتا (نعوذ باللہ من ذالک) یہ جھوٹ

بولتا ہے، یہ جادوگر ہے، یہ اپنے جادو کے مطابق کہہ رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برداشت کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ساتھ تھے، ان تین برسوں کے دوران جب قریش والوں نے حقہ پانی بند کر دیا تھا تو وہ ایک دانہ بھی اُن تک پہنچنے نہیں دیتے تھے۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو انھوں نے کہا کہ "اب نماز کعبہ میں ہوگی۔ میں دیکھوں گا کہ کون روکتا ہے"، اور ایسا ہی ہوا کہ کسی کی ہمت نہیں پڑی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ دعا مانگی تھی۔ اے اللہ! ابو جہل سے یا عمرؓ سے اسلام کو معزز فرما۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول ہوگئی۔

تو اہلِ قریش نے یہ طے کیا کہ یہ جھگڑا ختم نہیں ہوگا۔ جب تک کہ (نعوذ باللہ من ذالک) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام نہ ہو جائے۔ چنانچہ سازش تیار کی گئی۔ میں یہ واقعہ اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقام کا پتہ چلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور کو یہ مقام عطا نہیں کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ وحی فرمائی کہ "اے میرے حبیب یہ تمھاری جان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ آپ خاموشی سے نکل جائیں"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ یٰسین کی یہ آیت پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے تو سب کی آنکھیں اندھی ہوگئیں۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا
فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ٥ (سورہ یٰسٓ آیت ۹)

ہو گئے ۔ اطلاعیں بھیجیں۔ دُور دُور تک اُونٹ اور گھوڑے دوڑے کہ گئے

تو کدھر گئے ۔ ادھر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ امانتیں پہنچا کر مدینہ شریف کی طرف نکل

گئے ۔ جب مدینہ شریف پہنچے تو اُس گھر میں گئے جہاں حضور صلی اللہ علیہ

وسلم مقیم تھے۔

مدینہ شریف میں مہاجر اور انصار تھے ۔ انصار اُن کو کہا جاتا تھا جو مقامی لوگ تھے ۔ مہاجر جو ہجرت کر کے آئے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ...... "بھائی چارے" کی رسم متعارف کی یعنی بھائی بنا دیئے مہاجر اور انصار کو اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا "تم میرے بھائی ہو اور تمھاری مجھ سے اس طرح نسبت ہے جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی ۔"

آپ رضی اللہ عنہ کا وقت جو تھا اس میں فتوحات اور ٹھوس کام کرنے کا آپ کو موقع نہیں ملا، کیوں کہ پانچ سال کا جو عرصہ تھا، اس میں بغاوتیں' شورشیں، ادھر لڑائی، اُدھر لڑائی، ہر طرف فتنے تھے، غرض کہ ساری قوت اسی میں لگی ۔ اس کے باوجود بھی آپ کرم اللہ وجہہ نے اسلام کی بہت خدمت کی۔ آپ کی فضیلت کا اس سے اندازہ لگائیے جو کسی اور کو نصیب نہ ہوئی کہ آپ کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی اور شہادت مسجد میں۔ مولانا لوگ کہتے تو ہیں کہ ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی لیکن کبھی Describe (وضاحت) نہیں کرتے کہ کعبہ میں کیسے ہوئی' یہ ان کا فرض ہے کہ نہیں ؟ Is it not their duty?

بس وہ سمجھتے ہیں کہ اتنا کہنا کافی ہے ـــ یہ عالم فاضل ہیں !

عزیزانِ من ! سال میں ایک موقع ایسا ہوتا تھا جب کفار وغیرہ آتے تھے طواف کرنے کے لئے ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں یہ بھی طواف کو گئیں ۔ لیکن وہاں اتفاق سے آپ کو دردِ زہ شروع ہو گیا ، وہیں کعبہ کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کے اور بڑی شرمندہ سر نیچے کر کے بیٹھ گئیں ۔ اتنے میں آواز آئی "اے فاطمہ رضی اللہ عنہا کعبے کے اندر ہو جاؤ"، پھر اچانک دیوار پھٹی اور وہ اندر ہو گئیں اور وہیں ولادت ہوئی ۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ تشریف لائے ۔ آپ ہی نے غسل دیا اور گود میں لیا ۔ آپ کی والدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا "آنکھ نہیں کھولتا" ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے منہ میں دے دی ۔ جونہی زبان منہ میں دی ، فوراً آنکھیں کھول دیں تو یوں آپ کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ساتھ لئے ہوتے تھے ۔ آپ کی آپ نے بڑی اعلیٰ تربیت کی ۔ چھوٹی عمر میں لکھنا پڑھنا سیکھ گئے اور وحی کے جو کاتب تھے ، ان میں آپ بھی ایک تھے ، اس قدر قابلیت پیدا ہوئی ۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدائش کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو غسل دیا ، تو آپ فرمانے لگے "علی کو میں آج پہلا غسل دے رہا ہوں اور میرا آخری غسل علی مجھ کو دے گا ۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیتے وقت حضور کی پلکوں مبارک پر پانی کے کچھ قطرے تھے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے منہ لگا کر چوس لئے

آپ فرماتے ہیں "میں نے جب وہ قطرے چوسے تو ایسا معلوم ہوا کہ میرا سینہ سمندر کی طرح چوڑا ہوگیا اور عجیب عجیب علوم میرے اندر اُتر گئے۔" وہ پانی کے صرف چند قطرے تھے جنھوں نے آپ کے سینۂ مبارک کو سمندر بنا دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے جتنے بھی غزوے یا جنگیں لڑیں، اُن میں مولائے کائنات نے حصّہ لیا، بدر میں بھی، جو سب سے پہلی جنگ تھی، اُس میں بھی آپ نے خوب جوہر دکھائے۔

خیبر کا معرکہ بڑا مشہور ہے مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کی کہ حضور خیبر کا قلعہ فتح نہیں ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "اچھا، کل میں جس کو جھنڈا دوں گا فتح اس کے نصیب میں ہوگی اور میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس سے اللہ اور رسُول دونوں محبّت کرتے ہیں" جو آپ نے فرمایا یہ کتنے غضب کی بات ہے یعنی جس کو اللہ اور رسُول دونوں محبت کرتے ہیں۔

آپ کا ایک بچہ ہے جس سے آپ بڑا پیار کرتے ہیں اور اگر میں اُس کو پیار کروں تو دنیادار ہو کے آپ کی طبیعت بہت خوش ہوگی یا نہیں کہ میرے بچے کو پیار کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے، جو دو جہاں کے مالک ہیں اگر کوئی اس طرح محبت کرے تو کیا اُسے کچھ نہیں ملے گا؟ حضرات حسنین کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ جنت کے دو پھول ہیں پھر فرماتے ہیں کہ یہ میری بیٹی کے بیٹے ہیں اور میرے بیٹے

ہیں اور پھر فرمایا ''جنھوں نے ان سے محبت کی جنت ان کے لئے واجب ہے اور جنھوں نے میرے اہلِ بیت سے نفرت کی، وہ کبھی جنت کی خوشبو نہ پائیں گے''، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق فرمایا ''اے علی! تم سے وہی عداوت رکھے گا جو میرے ساتھ دشمنی کرے گا اور جس کو میرے ساتھ دشمنی ہو گی اللہ اس کا دشمن ہوگا''، پھر فرمایا ''میں علم کا شہر ہوں علی اس کا دروازہ ہیں''، پھر فرمایا ''میں حکمت کا شہر ہوں، علی اُس کا دروازہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ''جس نے میرے اہلِ بیت کو دُکھ دیا وہ جنت کی خوشبو نہیں سُونگھ سکتا''، پھر فرمایا ''اے علی! تم سے وہی دشمنی کرے گا جو منافق ہے''۔

تو سب سے بڑی چیز جو یہودیوں نے ہمارے دلوں سے نکالی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا مقام تھا، وہ جب نکل گیا تو اُن کے اہلِ بیت کا کیا مقام رہا؛ اور اس کے ساتھ جو ہم پہ قہر گرا وہ یہ کہ ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا، جو اپنے آپ کو شیعانِ علی کہتا ہے۔ انھوں نے اپنے اوپر اہلِ بیت کی محبت کا ذمہ لے لیا تو اہلِ سُنّت والجماعت نے سمجھا کہ اگر ہم ایسا کریں گے تو شیعہ کہلائیں گے، اتنی بڑی نعمت چھین لی۔ پھر ان کے عقیدے خراب ہونے لگے تبرّا وغیرہ سے اور اس طرح ایک ایسا نیا فرقہ پیدا کر لیا جو آج تک اسلام کی جڑیں کھوکھلی کر رہا ہے۔ جس کی وجہ سے اور بھی فرقے پیدا ہوئے۔

صبح جب ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ علی کہاں ہے؟ کہا حضور ان کی آنکھوں میں درد ہے، سُوجن ہے۔ فرمایا بلاؤ اسے، جب

وہ آئے تو پوچھا کیا بات ہے؛ کہا آشوبِ چشم ہے۔ آپ نے اپنا لعابِ دہن لگایا تو آنکھیں ایسی ہو گئیں جیسے کبھی خراب ہوئی ہی نہیں تھیں۔ پھر آپ نے جھنڈا ان کے سپرد کیا اور فرمایا جاؤ خیبر کو فتح کرو۔ مولائے کائنات جب گئے تو بڑا زبردست معرکہ ہوا۔ جب یہودیوں کا خانِ خان آیا تو آپ نے ایک ہی ضرب سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ پھر آپ آگے بڑھے اور خیبر کا جو دروازہ تھا اسے اکھاڑ کے پھینک دیا۔

یہاں میں ایک واقعہ سُنانا چاہتا ہوں۔ ایک دن مولائے کائنات مسجد میں سُوکھی روٹی کھا رہے تھے، جو بڑی مشکل سے کھا رہے تھے، ایک صحابی بیٹھے ہوئے تھے کہنے لگے "یا امیر المومنین! ایک تو ہم نے آپ کی وہ شان دیکھی کہ آپ کے خیبر کا دروازہ اکھاڑ دیا اور یہاں یہ دیکھ رہے ہیں کہ آپ روٹی نہیں چبا سکتے"۔ آپ مسکرائے اور کہا "یہ علیؓ کی طاقت ہے جو تم دیکھ رہے ہو، وہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی طاقت کا جلوہ تھا"۔

یہ ایسی لطیف باتیں ہیں اگر آپ زندگی میں ان کا مطالعہ کریں تو بڑی بڑی بہاریں کھلیں گی جس سے محبت پیدا ہوگی، پھر مدینہ کی فضائیں اور ہوائیں مہکتی ہوئی محسوس ہوں گی۔ لیکن اگر کوئی کسی کو یاد ہی نہ کرے تو محبت کیسے پیدا ہوگی۔ مثلاً ایک دوست دوسرے دوست کو خط ہی لکھ دے۔ تو وہ کتنا خوش ہوگا اور پھر وہ کتنا پیارا جواب دے گا تو یہ آپ کی جو محبت ہے، یہ جو آپ سلام بھرتے ہیں، ذکر تذکرے جو ہیں، یہ آپ کی طرف سے نامہ ہائے محبت ہی ہیں۔ جیسے ہی آپ کے محبت نامے وہاں پہنچتے ہیں

توآپ کے نام وہاں لکھ دیئے جاتے ہیں اور محبت نامہ کے مطابق آپ کو انعام دیا جاتا ہے۔ آپ کے گھروں کو برکتیں عطا ہوتی ہیں۔

تو یہودیوں نے شیعوں کو یوں گھسیٹر دیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سُنّی یہ سمجھنے لگے کہ اہلِ بیت سے جو محبت کرے وہ شیعہ ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ جو ہمارے چار اماموں میں سے ایک ہیں بہت بڑے امام ہوگزرے ہیں۔ انھیں پنجتن پاک سے بڑی محبت تھی اس لئے وہ اُن کی بڑی مدح کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے بارے میں شبہ ہوگیا کہ یہ شیعہ ہیں تو آپ نے فرمایا۔ "قسم ہے پروردگار کی کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی آل سے محبت کرنا شیعہ ہے تو میں ہزار بار شیعہ ہوں"۔

میں نے دیکھا کہ جس گھر میں پنجتن پاک کا ذکر ہو یا فاتحہ دلائی جائے اُس گھر میں پریشانیاں دُور ہوتی ہیں اور عزبت نہیں آتی۔

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ جوان ہوئے تو اُدھر حضرت سیدہ فاطمتہ الزہرا رضی اللہ عنہا بھی جوان ہوگئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے پیغام بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اتنا کہا کہ "میں اللہ کے فیصلے کا منتظر ہوں۔ پھر حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ عنہ کا پیغام آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے وہی جُملہ دہرایا کہ "میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا منتظر ہوں"۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے متعلق کہا گیا تو آپ نے فرمایا۔ "مرحبا، مرحبا"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی پیاری بیٹی سے معلوم کیا۔ وہ خاموش ہوگئیں۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ انھیں قبول ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ "اے بیٹی، میں نے

دُنیا میں جو بہترین مَرد ہے، وہ تمھارے لئے چُنا ہے"۔ غور کریں آپ ....! آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا" تمھارے پاس کچھ ہے؟"

آپ نے جواب دیا" ایک گھوڑا ہے اور ایک زرہ ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا" گھوڑا تو جہاد کے لئے ضروری ہے، کام آئے گا، زرہ بیچ ڈالو"۔ وہ زرہ جو تھی وہ ۴۸۰ درہم یا ۵۰۰ درہم میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لے لی۔ اس میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت بلال کو کہا" جاؤ خوشبو لے آؤ"۔ پھر اسی میں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ولیمہ بھی دیا۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ" ابھی تک جتنے ولیمے ہوئے اس سے بہتر ولیمہ نہیں دیکھا"۔

آج ولیمہ پر پابندی لگائی جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت جب ایک عورت نے دیکھا مہر کے متعلق آپ بیان کر رہے تھے کہ اتنا ہونا چاہیئے، تو اُس عورت نے کہا" اے عمر رضی اللہ عنہ! خدا سے ڈر، جس بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے منع نہیں کیا تم کیوں منع کرتے ہو"۔ آپؓ نے فرمایا" میں کتنا خوش قسمت ہوں کہ ایک عورت بھی مجھ سے زیادہ فقہ کا علم رکھتی ہے اور اس نے مجھے صحیح کر لیا"۔ پھر آپ نے کہا ٹھیک ہے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی بیٹی کو جہیز دیا، ایک چادر ایک بستر، دو گھڑے مٹی کے اور ایک مشکیزہ دیا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا وصال ہوا تو ان چیزوں میں کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا حالانکہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم بادشاہ ہو چکے تھے۔ سلطنت قائم ہو چکی تھی، بیت المال تھا لیکن ان سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا، کام کرتے کرتے اُن کے ہاتھوں میں چھنگیاں پڑ گئی تھیں۔ ایک دن انھوں نے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس بارے میں کہا تو آپ نے فرمایا کہ "آپ اپنے والد کے پاس جائیں، کچھ مالِ غنیمت آیا ہے، اس میں لونڈیاں بھی ہیں، ایک لونڈی کے لئے آپ جا کے کہیں"۔ جب آپ گئیں تو وہاں اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس لئے آپ نے شرم کے مارے کچھ نہیں کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے دن اُن کے گھر گئے اور پوچھا "بیٹی تو آئی تھی، کیا بات تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے بڑی سے محبت تھی، جب آپ آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے تھے۔ سینے سے لگاتے تھے اور فرماتے تھے "اے فاطمہ! تمھارے اندر سے مجھے جنت کی خوشبو آتی ہے"۔

اور حضرت حسن علیہ السلام اور حضرت حسین علیہ السلام کو روزانہ دیکھنے جاتے تھے اور ان سے جب تک کھیل نہ لیتے، پیار نہ کرتے اس وقت تک آپ واپس نہ آتے۔ آپ نے کہا یہ بات ہے، میری حالت آپ دیکھیں، میں تھک جاتی ہوں سُنا ہے کہ مالِ غنیمت آیا ہے، اگر ایک لونڈی مجھے بھی عطا ہو جائے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے "بیٹا! مجھے تمہاری تکلیف کا احساس ہے۔ مگر وہ معرکۂ بدر کے جو یتیم ہیں، اُن کا حق زیادہ ہے۔ بس تمھیں یہ بتا دیتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ، دس مرتبہ الحمدللہ اور دس مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو اور رات کو سوتے ۳۲ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۲ مرتبہ الحمدللہ،

اور ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ کر کے ہاتھوں پہ پھونک دیں اور ہاتھ جسم پر پھیر دیں، جسم تھکن سے پاک ہو جائے گا۔" آپ نے اسی پر عمل کیا۔

ازدواجی زندگی میں صرف تین چار ہی ایسے موقعے آئے جس میں آپ دونوں کے درمیان تھوڑی سی رنجش ہوئی۔ یہ فطری چیز ہے۔ ایک دفعہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں جس کے تھوڑی دیر بعد مولائے کائنات بھی آئے۔ جب آپ نے اُن کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ "اے فاطمہؓ! یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے، ورنہ میں نے دُنیا میں جو بہترین مرد ہے وہ تمھیں شوہر کے طور پر دیا ہے۔" ایک دفعہ اور ایسا ہوا۔ تیسری دفعہ یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے گھر تشریف لے گئے۔ پوچھا "علیؓ کہاں ہیں؟" پھر آپ نے فرمایا "میرا علی کہاں ہے؟" حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے جواب دیا "جی معلوم نہیں، کچھ رنجش سی ہو گئی ہے اور اُن کو بُری لگی، اس لئے وہ چلے گئے ہیں۔"

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ڈھونڈا تو دیکھا، آپ مسجد میں اوندھے لیٹے ہوئے ہیں اور مٹی لگی ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بڑے پیار سے مٹی جھاڑنی شروع کی اور بار بار یہ کہتے رہے "اُٹھو مٹی کے باپ! یعنی ابوتراب اُٹھو۔" اس کے بعد مولائے کائنات کھڑے ہو گئے۔ اس دن کے بعد آپ ابوتراب مشہور ہو گئے۔ پھر زندگی بھر یہ ابوتراب کا جو خطاب تھا وہ آپ کو اتنا پسند تھا کہ کوئی آپ کو اس طرح پکارتا تو آپ گلاب کی طرح کھِل اُٹھتے۔ افسوس یہ ہے کہ لوگوں نے آپ کی صحیح قدر نہیں کی۔ اصل میں حرمین

شریفین میں خون بہانا جائز نہیں، نہ شکار کرنا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جب واقعہ ہوا تو آپ کو بڑا صدمہ ہوا، کچھ لوگ یہاں بھی جو آپ کے ساتھ تھے، ان میں کوفہ کے لوگ زیادہ تھے تو آپ نے دارالخلافہ کوفہ منتقل کر دیا، لیکن وہاں جا کے دیکھا کہ اُن لوگوں میں منافقت زیادہ ہے، آپ کے کچھ خطابات بھی ایسے ہیں جن میں ان پہ لعن طعن کی گئی۔

آپ کی حالت یہ تھی کہ ایک دفعہ آپ نے امیرالمومنین ہو کے ساری رات کنواں چلایا اور صبح آپ کو اس کے بدلے میں سُتو ملا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے گھر آ کے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے کہا۔ ⅓ حصہ ستو کے پکاؤ۔ جب وہ تیار ہو گیا تو ایک غریب آدمی آیا اور اُس نے سوال کیا، آپ نے وہ سارے ستو اُس کو دے دیئے اور پھر فرمایا یہ ایک حصہ اور بناؤ۔ وہ جب بنا کے رکھا تو ایک دوسرا سائل آ گیا۔ آپ نے وہ اس کو دے دیا۔ اب ایک حصہ رہ گیا تو آپ نے فرمایا اسے بھی پکاؤ۔ اور جب وہ پک چُکا، تو ایک مُشرک آیا، بہت بھوکا تھا۔ آپ نے ستو کا آخری حصہ اس کو دے دیا۔ یہاں میں ایک مسئلہ آپ کو بتا دوں۔ حدیث شریف میں ہے کہ کوئی کافر یا مشرک اگر بھوکا ہے تو اس کا بھی پیٹ بھرو اور صدقہ دو۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے مکان پر ایک سائل آیا تو اس وقت آپ کے پاس کچھ فتوحات آئی تھیں۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ "انتظار کرو! جب فتوحات آئیں گی تو پیش کر دیں گے"۔ چنانچہ جب فتوحات آئیں تو اس سائل کو پیش کر دیں۔ آدمی بڑا خوش

ہوا اور کہا "اب میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ سچے اہلِ بیت ہیں۔ یہ اہلبیت کے سوا کوئی عام بندہ نہیں کر سکتا۔" پھر اُس نے کہا ایک بات میں عرض کروں۔ آپ نے کہا، "کرو۔" کہنے لگا، "اُس مسجد میں ایک فقیر بیٹھا رہتا ہے، بیچارہ بھوکا رہتا ہے۔ کچھ اس کا بھی خیال کریں۔" اس پر آپ رونے لگے، آپ نے کہا، "اے شخص! وہ جو مسجد میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ وہ میرے والد صاحب ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ وہ میدانِ تسلیم و رضا کے شہسوار ہیں۔ اُن کو فقر و غنا کی پرواہ نہیں۔"

ایک دفعہ آپ نے لوگوں کو کہا، "تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر طعن کرتے ہو، تم مجھ سے پوچھو جو پوچھنا ہے، میں بتاؤں گا آسمانوں اور زمینوں میں، جو چیز تم چاہو۔" تو ان میں سے ایک شخص اُٹھ کے کہنے لگا، "اچھا، جو تم نے دعویٰ کیا ہے، تو مجھے یہ بتاؤ کیا تم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے کہا، "پروردگار کی قسم! جب میں ایک سجدہ کرتا ہوں تو اس وقت تک دوسرا سجدہ نہیں کرتا جب تک میں اپنے رب کو نہیں دیکھتا۔" پھر آپ نے جذب میں فرمایا، "مجھ سے آسمانوں کے راستے پوچھو! میں ان سے اس طرح واقف ہوں جس طرح زمین کے راستوں سے۔"

آپ کے پاس اتنا علم معرفت تھا کہ کسی اور صحابی کو عطا نہیں ہوا۔ فضائل و مناقب اپنی جگہ، پانی کے ان کے قطروں کو یاد کرتے ہوئے، جو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پلکوں سے چوسے تھے، آپ نے فرمایا کہ

مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرا سینہ سمندر کی طرح چوڑا ہو گیا اور علوم کے ذخائر جمع ہو گئے ہیں "۔ ایک دن آپ نے جذب میں آ کے کہا "اگر میں چاہوں تو صرف سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستّر اونٹ بھر جائیں"۔ اشارہ ان ذخائر کی طرف تھا جو آپ کے سینہ میں تھے۔

ایک دفعہ آپ کو تیر لگا، اس کی تکلیف اتنی زیادہ تھی کہ جب اسے نکالنے کے لئے کوشش کی جاتی تو آپ کو شدید درد محسوس ہوتا، پریشان تھے کہ اب کیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا "گھبرانے کی بات نہیں، جب میں نماز کے لئے کھڑا ہو جاؤں تو تیر نکال لینا"، چنانچہ جب آپ نماز میں کھڑے ہو گئے تو آرام سے تیر نکالا گیا۔ اور آپ کو پتہ بھی نہیں چلا۔ یہی ہیں وہ لوگ جو کہہ سکتے ہیں "۔ تیری دید میری نماز "۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم غزہ سے واپس آئے تو تھکے ہوئے تھے۔ فرمانے لگے "۔ اے علی! میں تھکا ہوا ہوں"۔ کہا۔ میری جان آپ پر قربان، میں بیٹھتا ہوں، آپ میرے زانوں پر سرِ مبارک رکھ لیجئے اور آرام سے سو جائیے "۔ شدہ شدہ عصر کی نماز قضا ہو گئی، وقت گزر گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "۔ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی!" اور دوسری جگہ فرمایا "جس نے رسُول کی اطاعت کی، اُس نے اللہ کی اطاعت کی"۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی آنکھ کھلی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مولائے کائنات کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو فرمایا "۔ اے علیؑ! کیوں روتے ہو؟" کہا۔ حضور "عصر کی نماز قضا ہو گئی"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "۔ تو نے مجھے جگا دیا

تھا، کہا "نہیں! یہ میں کبھی نہیں کر سکتا تھا۔ کہ حضور کے آرام میں خلل ڈالوں"۔ اس پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے آسمان کی طرف دیکھا اور دُعا فرمائی تو آپ کی دُعا اپنی جگہ دُعا کی برکت سے سورج عصر کے وقت پر واپس آگیا اور مولائے کائنات نے عصر کی نماز پڑھ لی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو مولائے کائنات سے بیحد پیار تھا۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ "جو علی کی پیروی کرے گا وہ ہدایت پائے گا، یہ ہدایت یافتہ ہیں"۔ ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "لیکن میرا خیال ہے کہ تم اس کو امیر نہیں بناؤ گے"۔ یہ بات نہیں کہ کوئی چیز چھپی ہوئی تھی۔ جتنے واقعات تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی حیاتِ طیّبہ میں بیان فرما دیئے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کا واقعہ یوں ہے کہ ایک حرامی، ابنِ ملجم آپ کو شہید کرنے کی نیت سے آیا تھا، خفیہ پولیس نے بھی اطلاع دی کہ حضور اس شخص کے ارادے اچھے نہیں، یہ آپ کو شہید کرنا چاہتا ہے۔ آپ خاموش رہے۔ اس جملہ کو دو تین بار دہرایا گیا، آپ نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا "تم چاہتے ہو کہ اسے قتل کروا دوں جب کہ اس نے ابھی قتل بھی نہیں کیا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اس شخص کو قتل کرا دوں"۔

آپ اگر اس بات کو لنک (Link) کریں تو آپ دیکھیں گے کہ آپ نے حضرت عثمان غنی رضؓ کے معاملہ میں بھی یہی فرمایا تھا۔ آپ

نے فرمایا تھا کہ" جب تک یہ ثبوت ہی نہ ہو کہ قاتل کون ہے، میں کیسے ہاتھ ڈالوں؟" آپ نے فرمایا کہ" تم یہ چاہتے ہو کہ جس نے ابھی قتل ہی نہیں کیا ہے، میں اس کو سزا دوں"۔

چنانچہ آپ جب نماز پڑھ رہے تھے تو اُس خبیث نے آپ پر وار کیا۔ آپ کا سر پھٹ گیا" آپ نے صرف اتنا فرمایا" پروردگار کی قسم! علی اپنی مُراد کو پہنچا" اور پھر فرمایا" میرا جو قاتل ہے اس سے سُلوک نرم کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے قتل کر کے اس کے ٹکڑے کرو۔ مثل ڈالو، یہ نہیں کرنا۔ اگر قصاص (دیت) لینا ہو تو زیادہ قصاص (دیت) نہ لو۔ تھوڑا قصاص (دیت) لینا"۔ خیر! اس کے ایک رات بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ ایک روایت کے مطابق کوفہ کے پاس جو قبرستان ہے وہیں آپ کو دفنایا گیا۔

جب آپ پروار ہو گیا تو حضرت امام حسن علیہ السلام آپ کے پاس آئے۔ آپ اس وقت حیات تھے، یعنی ابھی جان باقی تھی۔ لوگوں کے ہجوم نے کہا۔ "کیا حکم ہے؟ خلیفہ بنانے کے لئے، شہزادہ حضرت امام حسن علیہ السلام موجود ہیں۔ آپ نے کہا" میں کچھ نہیں کہتا" جس کی مرضی ہو اس کو بناؤ، یہ تمہارا اختیار ہے۔ اسے تم ہی استعمال کرو، میں اس میں کچھ نہیں کہتا"۔

اللہ تعالیٰ اُن کے مراتب میں اور ترقی دے۔

آمین

ختم شریف

سیدۃ النساء العالمین

حضرت فاطمۃ الزّہرہ

رضی اللہ عنہا

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمّد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف "افضل سرکار" رحمۃ اللہ علیہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکَرِیْم نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

امّا بعد ! عزیزانِ من !

آج یہ ختم شریف حضرت فاطمۃ الزہرا بتول رضی اللہ عنہا کا ہے۔ آپ کا وصال ۳ جمادی الثانی کو ہوا۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی نہایت ہی پیاری اور چہیتی بیٹی تھیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ خدیجۃ الکبریٰ تھیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی پہلی زوجہ تھیں ۔ آپ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے نکاح میں آئیں تو اس وقت

آپ کی عمر چالیس سال تھی، آپ بیوہ تھیں اور ایک بڑے کاروبار کی مالک تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

جب سیّدہ فاطمہ اپنے والدین کے ہاں ملنے تشریف لے جاتیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کھڑے ہو جاتے اور آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کرتے اور آپ کی پیشانی کو چُوم لیتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا کا جسم مُبارک اتنا پاک اور معطر تھا کہ ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے تھے کہ "اے فاطمہ! تمھارے جسم سے مجھے جنت کی خوشبو آتی ہے"۔

آپ کو بتول اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عورتوں کی خاص ایّام والی بیماری سے پاک کیا ہوا تھا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ابھی بچّی ہی تھیں کہ آپ ایک بار خانہ کعبہ میں گئیں۔ اس وقت وہاں کفّار موجود تھے۔ آپ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایک ظالم نے اُونٹ کی اوجھڑی اُس وقت پھینکی جب آپ کا سرِ مُبارک سجدے میں تھا۔ یہ دیکھ کر آپ کو بڑا دکھ ہوا اور جلدی سے وہ اوجھڑی ہٹادی اور کفار کو بُرا بھلا کہا، جس نے اوجھڑی ڈالی تھی اس کا نام عقبا تھا اور آپ نے اس کے لئے بددُعا کی۔

ایک دفعہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا" پیاری بیٹی کیا حال ہے؟" آپ نے عرض کی "ابا جان! مجھے تکلیف بھی ہے اور اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ ہمارے ہاں کھانے کی کوئی چیز بھی نہیں"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" بیٹی! تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تمام عالم کی عورتوں کی سردار ہو؟" آپ نے عرض کی" باباجان! مریم علیہ السلام کدھر گئیں؟" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" وہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہیں، اور تم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہو۔ اور تمہارا شوہر دنیا میں اور آخرت میں سیّد ہیں"۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

"بات چیت کرنے کے انداز میں، میں نے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے بڑھ کر کوئی بھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشابہ نہیں دیکھا"۔ یعنی آپ کا اندازِ گفتگو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تھا۔ پھر آپ فرماتی ہیں" میں نے فاطمہ سے بڑھ کر کوئی سچ بولنے والا نہیں دیکھا" اور ایسا وہی ہو سکتا ہے جو نبی کی اولاد میں سے ہو۔ پھر جب آپ سے پوچھا کہ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پیارا کون تھا؟" تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا" عورتوں میں فاطمہ اور مردوں میں فاطمہ کے شوہر یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ"۔

جب جنگِ اُحد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے تو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بے تاب ہو کر فوراً میدانِ جنگ میں پہنچیں، دیکھا خونِ مبارک بند نہیں ہو رہا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے چٹائی جلائی اور اس کی راکھ خونِ مبارک پر ڈالی، جس سے خونِ مبارک کا بہنا بند ہو گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: "فاطمہ نے اتنی چکی پیسی کہ ہاتھوں پہ نشان پڑھ گئے۔ پانی کے لئے مشک اتنی اٹھائی کہ گردن پہ نشان پڑ گئے۔ گھر میں جھاڑو دے دے کر سارے کپڑے میلے ہو جاتے تھے۔ انہیں دنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ غلام آ گئے۔ میں نے کہا، تم اپنے ابا کے پاس جاؤ اور خادم مانگو۔ فاطمہ گئیں، وہاں بھیڑ تھی، نہ مل سکیں، اگلے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ "اے فاطمہؓ تو کس ضرورت کی بنا پہ آئی تھی؟" فاطمہ چپ رہیں، اس پر میں نے عرض کی کہ "حضور، میں آپ کو بتاتا ہوں۔ چکی پیستے پیستے اس کے ہاتھوں پہ نشان پڑ گئے ہیں۔ مشک اٹھاتے اٹھاتے گردن پہ نشان پڑ گئے ہیں۔ جب میں نے دیکھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس کچھ غلام آئے ہیں، تو میں نے ہی اس سے کہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ایک غلام مانگو، تاکہ اس تکلیف سے نجات

ہو"۔ یہ سُن کر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "اے فاطمہ! تقویٰ اختیار کرو، فرائض الٰہی ادا کرو اور جب سونے لگو تو ۳۳ بار سُبحان اللہ ۳۳ بار الحمدللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھو، یہ پورے سو ہو جاتے ہیں، یہ عمل تیرے لئے خادم سے بہتر ہے"۔

ایک دوسری جگہ اس کی یوں وضاحت بھی ہے کہ یہ عمل پڑھ کر ہاتھ پر پھُونک دے اور ہاتھ کو سارے جسم پر پھیر دے تو ہر قسم کی تھکن دُور ہو جاتی ہے اور بیماریوں سے بھی حفاظت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یوں بھی ہے کہ جو اس عمل کو ہر نماز کے بعد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اس کو تسبیحِ فاطمی کہتے ہیں۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ سُن کر عرض کی "میں خُدا سے اور رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلّم) سے اپنے اسی حال میں خوش ہوں"۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خادمہ نہیں دی۔

ایک شخص جس میں محبتِ رسُول نہیں، محبتِ خدا نہیں، اس میں دین کی سمجھ کیا ہو سکتی ہے۔ بس وہ برائے نام مسلمان ہے، یعنی کلمہ گو ہے۔ وہ ایمان کی لذّت سے واقف نہیں ہے۔

آپ اندازہ کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیّبہ میں ہی مدینہ شریف میں اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ بے شمار مالِ غنیمت

آتا تھا۔ مگر ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم وہ سارا مال غرباء و مساکین میں تقسیم فرماتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے گھر میں کئی کئی دن چولہا نہیں جلتا تھا، کھجوروں پر ہی گزارہ ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی کے حالات دیکھنے کے باوجود مالِ غنیمت غرباء اور مساکین میں تقسیم کرنے کو ترجیح دی۔ اور ادھر رسُول کی بیٹی کا حال دیکھیں کہ وہ اس سخت تنگی میں بھی کیا فرماتی ہیں۔ فرماتی ہیں کہ "میں اللہ اور اس کے رسُول سے راضی ہوں"۔ اور اسی حال میں زندگی گزارتی رہیں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت یعنی آخری بیماری میں مبتلا ہوئے، تو آپ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پاس بُلا کے ان کے کان میں کچھ فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہا رونے لگ گئیں۔ پھر پاس بلا کے اُن کے کان میں کچھ ارشاد فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہا مسکرانے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب آپ سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے کان میں کیا فرمایا تھا، تو آپ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھے پہلی دفعہ بتایا کہ یہ میری آخری یعنی موت کی بیماری ہے، تو میں رونے لگ گئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھ سے دوسری دفعہ کان میں فرمایا کہ خاندان میں تم سب سے پہلے مجھ سے ملوگی، تو میں خوش

ہوئی اور مسکرانے لگی،،۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے بے حد صدمہ پہنچا۔

آپ ہی کے بطنِ مُبارک سے دو عظیم ہستیاں پیدا ہوئیں۔ ایک حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ عالی مقام اور دوسرے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ عالی مقام۔ آپ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے آپ کو، حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو، سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو، سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اور سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو پنجتن پاک قرار دیا۔

یہاں ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بارے میں کچھ بیان کروں کہ یہ کس طرح ہوا۔

آپ رضی اللہ عنہا جب جوان ہوئیں تو سب سے پہلے سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نکاح کی خواہش ظاہر کی اور اس کے بعد سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نکاح کی خواہش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ابھی وہ چھوٹی ہے“ اس کے بعد جب سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے درخواست کی تو حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مرحبا"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں اس موضوع پر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا تو وہ خاموش ہو گئیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا "تیرے پاس کچھ ہے"؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کی "ہاں گھوڑا اور زرہ"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "گھوڑا جہاد کے لئے ضروری ہے۔ ہاں، زرہ کو بیچو"۔

چنانچہ انہوں نے زرہ چار سو اسی درہم میں سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیچا۔ انہوں نے خرید کر قیمت ادا کر کے زرہ بھی واپس کر دیا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رقم سے کچھ درہم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دے کر فرمایا "اس سے خوشبو لے آؤ"۔ اور اہلِ بیت سے ارشاد فرمایا کہ "سیدہ فاطمہ کا سامان تیار کر دو"۔ چنانچہ ایک چارپائی بنائی گئی اور ایک توشک چمڑے کی تیار ہوئی جس میں خرمے کے درخت کا پوست بھر اگیا۔

امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک کملی، ایک مشک اور ایک تکیہ چمڑے کا بھی جہیز میں تھا۔

آپ رضی اللہ عنہا کا حق مہر چار سو مثقال چاندی مقرر ہوا۔ سیدنا

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور سیّدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے علاوہ دو صاحبزادیاں حضرت زینب اور حضرت سیدہ امّ کلثوم بھی آپ کے بطن مُبارک سے پیدا ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہانے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات سے چھ مہینے بعد اٹھائیس برس کی عمر میں وفات پائی اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو بے حد پیار تھا۔ ابھی یہ بچے ہی تھے کہ ایمان لائے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم بچپن میں یتیم ہوئے تھے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے والد ابوطالب نے آپ کو گود لے لیا تھا۔ وہ آپ سے بے حد پیار کرتے تھے، اور اُن کی زوجہ فاطمہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے بے حد پیار کرتی تھیں۔ وہ پہلے آپ کو کھلاتی تھیں اور بعد میں دوسرے بچّوں کو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ان کو ماں کہتے تھے، اور وفات کے بعد آپ نے ان کو خود لحد میں اُتارا تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابھی چھوٹے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کو اپنے ساتھ رکھا اور اپنا دل و جگر سمجھا۔ اس سلسلہ میں یہ ایمان پرور واقعہ بھی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پیدائش خانہ کعبہ میں ہوئی۔ پیدائش کے تین دن گزر گئے مگر آپ نے آنکھ نہیں کھولی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم تشریف لے گئے تو آپ نے

انہیں گود میں لے کر اُن کے مُنہ میں اپنی زبانِ مُبارک دے دی۔ آپ نے فوراً ہی آنکھیں کھول دیں۔ آنکھ کھولتے ہی آپ نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کی۔ زبانِ مُبارک مُنہ میں دینے سے عجیب عجیب علومِ باطنی اُن کے اندر داخل ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ "علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں"۔ اور آپ کے علوم نے جو جلوے دکھائے وہ دنیا نے دیکھے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے کمال کا یہ عالم تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ "مجھ سے آسمانوں کے راستے پوچھو۔ میں ان سے اس طرح واقف ہوں جس طرح دنیا کے راستوں سے"۔

آپ رضی اللہ عنہ خانۂ کعبہ یعنی اللہ کے گھر میں پیدا ہوئے، اور ایک خارجی نے حملہ کر کے آپ کو مسجد میں شہید کیا، یعنی خدا کے گھر میں شہید کیا۔ دوسرے لفظوں میں آپ خدا کے گھر میں پیدا ہوئے اور خدا کے گھر میں شہید ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی اس خارجی ملعون پر ہمیشہ ہمیشہ لعنت ہو، اور وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنّم کی آگ میں جلتا رہے۔

عزیزانِ من! یہ مقدس ہستیاں جو ہیں، اُن کی زندگی کا ہر واقعہ ہمارے لئے پرہیزگاری اور تقویٰ کا ایک سبق ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم بادشاہِ وقت تھے۔ مدینہ شریف میں

اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی۔

(۲) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رشتے آئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں منظور نہ کیا۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا رشتہ آیا، تو ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا سوائے غربت اور افلاس کے، مگر تقویٰ تھا۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ کی پرورش بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال و دولت یا دوسری کسی چیز کو تقویٰ پر ترجیح نہیں دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو جہیز سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیا، وہ بھی آپ لوگوں کے سامنے ہے۔ اور جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حق مہر کا انتظام کیا، وہ بھی آپ سن چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نیک ہدایت دے کہ ہم لڑکیوں کے حق مارنے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے اور فتویٰ دیا جاتا ہے کہ شرعی حق مہر صرف ۳۲ روپے ہے۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اتنی مشقت سے زندگی بسر کی، مگر آپ کو ایک خادمہ بھی عطا نہیں کی گئی اور آپ کو یہی کہا گیا کہ "کیا یہ دُنیاوی چیزیں تمہارے لئے کوئی حقیقت رکھتی ہیں؟ تم آج جہاں کی ساری عورتوں کی سردار ہو، اور وہاں جنت میں جو تمہارے لئے مقامات اور انعامات ہیں، ان کے سامنے یہ کیا وقعت

رکھتی ہیں"۔ اور آپ اس پر بڑی خوشی سے راضی ہوئیں اور پھر کبھی کوئی مطالبہ نہ کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وصال ہوا تو گھر میں چراغ روشن کرنے کے لئے بھی تیل نہیں تھا۔ سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ لڑکیوں سے اللہ تعالیٰ کے واسطے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے پیار اور محبت کرو۔ اس کا بڑا اجر ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے اپنی دو لڑکیوں کو محبت اور شفقت سے پالا، اس پر جنت واجب ہوگئی۔

لڑکیوں کا وراثت کے اندر بھی حصّہ مقرر ہے، مگر دیتا کون ہے۔ دل تو دولت کی محبت سے سیاہ ہو چکا ہے۔ جب لڑکیوں کا معاملہ آتا ہے، تو شریعت کے اندر سے طرح طرح کے جواز نکالے جاتے ہیں۔ اب بھی اگر آنکھ کھولیں اور واقعات دیکھیں، تو روزمرہ بے شمار واقعات آپ کے سامنے ہیں۔

چند سال ہوئے جماعت اسلامی کے ایک مقامی لیڈر نے لڑکی کا نکاح مسجد میں رکھا اور دعوت نامے میں صاف صاف لکھا کہ نکاح کے بعد کوئی تواضع نہیں ہوگی، صرف ایک گلاس پانی پیش کیا جائے گا۔ جس کو یہ منظور ہو وہ آئے۔

عزیزانِ من! خود غور کرو کہ کیا یہ خود گلاس پانی پی کے زندگی

گزار رہا ہے؛ دین کا پرچار کرنے والوں کے ہاں کبھی ان کے کھانے کا دسترخوان دیکھو، اور پھر یہ گلاس پانی کا واقعہ بھی سامنے رکھو، تو آپ کو یہی کہنا پڑے گا کہ:

"ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور"۔

یہ واقعات اخباروں میں صرف چھپتے رہتے ہیں۔ کئی سال ہوئے طائف میں اسلامی کانفرنس ہوئی۔ اس میں پانچ ہزار قسم کے کھانے تھے اور نئی نئی کاریں۔ کیا کسی مولوی نے فتویٰ دیا؟ کرنل قذافی نے مسلمانوں کا سن ہجری بدل دیا، مولوی صاحب خاموش رہے۔

دارالعلوم دیوبند کی سوسالہ جوبلی ہوئی۔ دیکھئے یہ دیوبندیوں کا کتنا بڑا ادارہ ہے، لیکن اس کا افتتاح کسی عالم دین سے نہیں کروایا، بلکہ ایک کافرہ عورت مسز اندرا گاندھی کو دعوت دی۔

تبلیغی جماعت دراصل خفیہ طور پر ایک کٹر وہابی جماعت ہے۔ سالہاسال سے سُنّی مسلمانوں کا رُوپ دھار رکھا ہے۔ اب جب ہر لحاظ سے مضبوط ہوگئی، تو کھلم کھلا اسلام پہ حملے کرنے لگ گئے ہیں۔ ان کے نصاب میں سے درود شریف نکال دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبیٔ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں، اور مومنوں کو حکم دیتا ہے کہ تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو!

ایسے جیسے کہ حق ہے۔

پھر آپ جانتے ہیں کہ جہاد کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کتنی بار مسلمانوں کو دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس پہ بڑا زور دیا۔ مگر انہوں نے جہاد بھی نصاب سے نکال دیا۔

اُدھر جماعت اسلامی ایک معمولی جماعت تھی۔ مگر عقائد کے لحاظ سے یہ لوگ بھی کٹر وہابی تھے۔ جب یہ زور پکڑ گئے تو پھر یہ ظاہری رُوپ کے ساتھ سامنے آئے۔ اُن کے بانی، مودودی صاحب فرماتے ہیں "قرآن کے لئے کسی تفسیر کی حاجت نہیں"۔ پھر کہتے ہیں کہ "میں نہ اہلِ حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیہ یا شافعیہ کا پابند ہوں"۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کتنے بڑے عالم ہو گزرے ہیں۔ بڑے بڑے علماء آپ کے سامنے سر خم کرتے ہیں اور آپ کی کتابوں کا دارالعلوم میں درس دیا جاتا ہے۔ مودودی اپنے علم کے غرور میں اتنا گمراہ ہو گئے کہ وہ کہتے ہیں کہ "امام غزالی کے نام ہی سے لوگ مرعوب ہیں۔ وہ جو چاہیں انہیں بنا کر رکھیں۔ انہوں نے حقیقتاً نبوّت کے سمجھنے میں غلطی کی۔ امام غزالی کی شہادت ہم کو کیا مطمئن کر سکتی ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے زنا اور قذف وغیرہ کی حد قرآن پاک میں جاری کی ہے۔ مگر مودودی صاحب کا اپنا ہی کوئی قرآن ہے کہ بڑی دلیری

سے (نعوذ باللہ من ذالك) کہتے ہیں کہ" جہاں معیاری اخلاق بھی اتنا پست ہو کہ ناجائز تعلقات کو برا نہ سمجھا جاتا ہو، ایسی جگہ زنا اور قذف وغیرہ کی شرعی حد جاری کرنا بلاشبہ ظلم ہے۔

عزیزانِ من!

یہ دنیا چند روز کی ہے۔ اپنی لڑکیوں کو پیار اور محبت سے پال کر اللہ تعالیٰ اور حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور خوشنودی حاصل کریں۔ اور جنّت کمائیں۔

اللہ تعالیٰ اہلِ بیت کے درجات اور مراتب میں بے حد ترقی عطا فرمائے۔ اُن پہ ہم سب کی طرف سے اربوں کھربوں سلام ہو۔

اگر اس ختم شریف میں کوئی کمی رہ گئی ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہ کے دل میں رحم ڈال دے کہ وہ ہمارے اس معمولی سے ختم کو قبول فرمائیں۔

آمین

حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمّد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف "افضل سرکار رحمۃ اللہ علیہ"

۲۱ اپریل ۱۹۹۷ء

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمْ ط نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکَرِیْمْ ط

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمْ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمْ ط

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ خَلْقِ کُلِّ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا

صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ

عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

اَمَّا بَعْدُ!

عزیزانِ من ! آج میرے خطاب کا جو موضوع ہے، وہ ہمارے پیارے آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیاری لختِ جگر

سیّدۃ النّساء العالمین، حضرت سیّدۃ فاطمۃ الزہرا، خاتونِ جنّت رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے۔ میں اپنے آپ کو خوش بخت اور خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کریمی کے صدقے میں، آقائے نامدار کے وسیلے سے مجھے اتنی بڑی توفیق بخشی ہے، خدا کرے میرا حافظہ میرا ساتھ دے اور میں اس اہم موضوع پہ، ان کے شایانِ شان تو نہیں، لیکن اتنا بیان کر سکوں کہ پنجتن پاک کی ارواحِ مقدّسہ جو ہیں، وہ آپ سب پہ یہاں اپنی رحمتیں برساتی رہیں اور آپ کے گھروں میں بھی رحمتیں برسائیں۔ آپ کی پریشانیاں دُور ہوں۔ اور مسلمانانِ عالم کی پریشانیاں دُور ہوں۔

جب وہاں ایک جنبش ہوتی ہے تو ایک عالم میں جنبش ہوتی ہے۔ اور اگر وہاں رد کیا جاتا ہے، تو ایک عالم برباد ہو جاتا ہے۔

عزیزانِ من! میں نے یہ سلسلہ اس لئے شروع کیا ہے کہ میرے اوپر اب ضروری ہو گیا تھا۔ (کیسے ہوا، یہ میں نہیں بیان کر سکتا) کہ میں پنجتن پاک کی شان بیان کروں، کیونکہ ہمارے جو صحیح العقیدہ بچے، بچیاں ہیں، اور دوسرے جو صحیح العقیدہ لوگ ہیں، وہ اپنی ناواقفیت، ماحول کی گندگی اور پراگندگی کی وجہ سے ان کی عظمت اور برکت سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔

یاد رکھو! غلام وہ ہے جو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلّم کو پہچانے

اور اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے اور اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام کرے۔ غلام وہ نہیں کہ جو چور بازاری کرتا پھرے۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ کہے، پیٹھ پیچھے جا کے کچھ کرے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ جس وقت دینِ اسلام پھیلا اور ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر جب اسلام کی دعوت دی، تو وہی لوگ جو آپ کو امین اور صادق کہتے تھے، وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہنے لگے، جادوگر کہنے لگے۔

پھر اسلام کا غلبہ ہوتا چلا گیا، اگر آپ محققانہ نگاہ سے دیکھیں گے، تو جو آج کے حالات ہیں، یہ حالات اُس وقت نہیں تھے۔ فرق یہ ہے کہ آج جو بدکاری اور یہ سب کچھ ہو رہا ہے، اسلام کے خلاف بولا جا رہا ہے، یہ ریپبلک آف اسلام (جمہوریہ اسلام) ہے۔ جس میں باقی سب کچھ ہے سوائے اسلام کے۔

تو عزیزانِ من! میں تو کہتا ہوں کہ اس کا نام ریپبلک آف اسلام رکھنے کی بجائے Republic to whom it may concern رکھیں۔

تو اُس وقت جب اسلام کا غلبہ تھا، کسی کی مجال نہ تھی کہ اللہ جل شانہٗ کی شان میں بکواس کرے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا اہلِ بیت کی شان میں۔ اگر اس وقت کوئی ایسا کرتا، تو فوراً تلواریں نکل آتی تھیں۔ اللہ جلّ شانہٗ کی اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آن کے

لئے جہاں پسینہ بہتا تھا وہاں وہ لوگ خون بہاتے تھے۔ مگر نفوسِ قدسیہ کی تعداد بہت کم ہے۔

یاد رکھو! مسلمانوں میں تین گروہ تھے۔ ایک جو ایمان لائے یعنی مُسلمان۔ دوسرے جو کافر مشرک ہوئے اور انکار کر دیا اور تیسرے منافق تھے۔

کلامِ پاک کھولیں تو اس میں ایمان والوں کی شان بیان کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس عظیم کتاب کی ہدایت کن لوگوں کو ملے گی۔ یعنی ان لوگوں کو جن میں مقررہ چیزیں ہوں گی، جن کی تفصیل چار پانچ آیات میں ہے، جو اس وقت نازل ہوئیں۔ پھر اس طرح کفّار کا بھی ذکر آیا۔ لیکن جب منافقین کا ذکر آیا تو پھر یکے بعد دیگرے چودہ آیتیں ہیں۔

منافق مسلمانوں میں گھُل مل جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن جب آپس میں ملتے تو کہتے کہ ہم مسلمانوں کو بے وقوف بنا کر آئے ہیں۔ تو اسی وجہ سے وحی کے ذریعہ فرمایا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ یعنی وہ لوگ کہتے ہیں مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا ہم ایمان لائے بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اللہ اور آخرت پہ اور

آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔" اے میرے حبیب وَمَا هُوَ بِمُؤْمِنِيْنَ ہ یعنی یہ مومن نہیں ہیں۔ یہ ایمان نہیں لائے۔

تو اُس وقت جب اسلام مکمل طور پر غالب آگیا، عیسائی اور یہودیوں کی طاقت تھی۔ یہ لوگ ایسے خبیث ہیں کہ اپنے عہد کی پابندی نہیں کرتے۔ جو معاہدہ کیا انہوں نے، اس کو خود توڑا۔ پھر ایک بُت پرست قوم تھی جنہوں نے لات ومنات کے بُت بنائے ہوئے تھے جن کی وہ پُوجا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک بُت مذکر تھا جو اُن کا خُدا تھا اور دوسرا مؤنث تھا، جو اس کی بیوی تھی کعبہ بُتوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک اور گروہ تھا، جو نہ خدا کو مانتا تھا اور نہ اس کے وجود کو۔ وہ بس یہ سمجھتے تھے کہ انسان یونہی پیدا ہوا، مادے کا ٹکڑا ہے، جب مادہ گل سڑ جائے گا تو یہ مرجائے گا۔

عیسائی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے تھے، اپنے نبی کی محبت کی وجہ سے۔ اس لئے سورۃ فاتحہ میں وَلَا الضَّآلِّيْنَ ہ کہا ہے۔ یعنی گمراہ۔

اور یہودی جو تھے وہ عداوت اور دُشمنی کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے تھے۔ اسی لئے ان کے بارے میں مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کہا۔ یعنی وہ کفر نرم تھا اور یہ کفر شدید۔

یہودیوں کی سازش تھی کہ کسی طرح اسلام کو ختم کیا جائے۔ وہ

اسلام کو طاقت سے تو ختم نہیں کر سکتے تھے۔ تلوار کی طاقت تو نہ رہی تھی۔ پھر کیا کرتے۔ اُن لوگوں نے تدبیر سے اسلام کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا۔

منصوبہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں پہلے اللہ کی عظمت کو مٹایا جائے، جس کی وجہ سے یہ خود ہی قرآن شریف پڑھنا چھوڑ دیں گے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عظمت مٹائی جائے اور دین کے اندر دراڑیں پیدا کریں۔ مسلمانوں کا جو طاقت ور گروہ ہے، جو صحیح معنوں میں مومن اور مسلمان ہیں، ان کے اندر دراڑیں پیدا کریں۔

اور پھر یہ خود آپس میں لڑ لڑ کر اپنی طاقت ختم کر دیں گے۔ یہ سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیبّہ سے ہی شروع ہو چکا تھا۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پردہ فرمانے کے بعد ایک مسلیمہ کذاب نے تو نبوّت کا بھی دعویٰ کیا تھا۔ اس کے خلاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جہاد کر کے اس فتنے کو ختم کر دیا تھا۔ تو یہ بات تھی۔ اس وقت بھی کافی مصیبت تھی۔ پھر عیسائی تو ہمیشہ اس تاک میں رہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے جسدِ مُبارک کو بھی نکالنے کی کوشش کی

تھی۔ یہ بہت مشہور واقعہ ہے۔

یہودی اپنی لڑکیاں بھی پیش کرتے رہے۔ سردار لوگ جو تھے، وہ بھی سخت مخالف تھے، مگر مجبوراً انہوں نے کلمہ پڑھ لیا تھا، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس لئے کہ لوگ انہیں اکساتے رہتے تھے کہ اب تمہاری کیا حیثیت رہ گئی ہے۔ کون پوچھتا ہے تمہیں، کون گھاس ڈالتا ہے تمہیں۔ اب تم پٹ گئے، ختم ہو گئے۔ اس پر ان لوگوں کو تاؤ آتا تھا۔ کیونکہ نہایت جاہل مطلق تھے۔ اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور ان پہ اپنا نبیؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھیجا جو انہی میں سے تھے اور انہی کی بولی بولتے تھے۔ اور اپنی تمام آیتیں شانِ نزول سے انہی پہ اُتاریں جو انہی کی زبان یعنی عربی میں تھیں۔ اور خود ہی فرمایا کہ

"اس کو (قرآن کو) ہم نے سہل بنا دیا پڑھنے کے لئے، سیکھنے کے لئے"۔

پھر فرمایا "اس کلام پاک کی حفاظت ہم کریں گے"۔

خلفائے راشدین میں سے صرف ایک یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا طبعی طور پر انتقال ہوا تھا۔ باقی تین یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی

کرم اللہ وجہہ، شہید کر دیئے گئے تھے۔ ان کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو کئی دفعہ زہر دیا گیا، اور پھر جب آخری دفعہ دیا گیا تو وہ بھی شہید ہو گئے۔

اسی طرح سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی شہید کر دیئے گئے۔ امام عالی مقام کے نام کوفہ کے چالیس ہزار افراد نے خطوط لکھے کہ ہم روزِ محشر آپ کا گریبان پکڑیں گے۔ اگر آپ نہ آئے اور ہمارے ایمان کی حفاظت نہ کی۔

امام عالی مقام کے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل نے بھی کوفہ سے پیغام بھجوایا تھا کہ چالیس ہزار کے قریب افراد بیعت ہو چکے ہیں، اس لئے آپ کا یہاں آنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ستر افراد پر مشتمل قافلہ لے کر جس میں آپ کے سارے اہل بیت بھی تھے، کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

راستے میں آپ رضی اللہ عنہ کی ملاقات ایک شاعر سے ہوئی جو کوفہ سے آ رہا تھا۔ آپ نے جب اس سے حال دریافت کیا تو اس نے حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ اہلِ کوفہ کا حال بُرا ہے۔ ان کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں مگر تلواریں آپ کے خون کی پیاسی ہیں۔

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا "اب جو اللہ کا امر ہے وہی

ہو گا۔‘‘

تو عزیزانِ من ! میں صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ آج میں جس ہستی کا ذکر کرنے لگا ہوں، اس کے بعد آہستہ آہستہ دودمانِ فاطمی کی دوسری جو ہستیاں ہیں ان کی بھی زندگیوں کے بارے میں بیان کروں گا۔ کیونکہ اب مجھ پہ یہ فرض ہو چکا ہے کہ میں آپ کو آگاہ کروں۔ اس لئے کہ اگر آپ میں سے کوئی گمراہ ہوتا ہے، جان بوجھ کے یا بھول میں، تو پکڑ میری ہو گی۔

عزیزانِ من ! پیری مریدی اتنی آسان نہیں ہوتی جتنا کہا جاتا ہے۔ مریدی اس کا نام نہیں کہ بتاشے یا مٹھائی بانٹ دی اور موٹا سا لفافہ دیا اور مُرید ہو گئے۔ اس کے بعد ہر مہینے وظیفہ بندھ گیا۔ جہاں مرید نے کہا کہ جی یہ تکلیف ہے، تو انہوں نے کسی عامل کو ڈھونڈا، پانچ سو روپے بھیج دیئے کہ یہ ہمارا کام کر دو۔ کام ہو گیا تو خود مُرید سے دس ہزار لئے اور عامل کو دو سو اور بھیج دئیے۔ یعنی اس میدان میں اس طرح بلیک ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پیر اس لئے پکڑا جاتا ہے کہ ظاہری جسم کی صفائی تو آپ خود کرتے ہیں، ایک دھبہ بھی اگر کپڑے پہ لگ جاتا ہے تو آپ غسل کرتے ہیں۔ لیکن آپ کا ایک اور جسم بھی ہے جس کو جسمِ لطیف کہا جاتا ہے۔ یہ نوری ہے۔ جب آپ گناہ کرتے

ہیں تو اس پہ دھبے پڑتے ہیں۔ اس کو پاک صاف کرنے کے لئے مرشد کی ضرورت پڑتی ہے۔

ظاہری علوم کے لئے عالم کی ضرورت پڑتی ہے اور باطنی علوم کے لئے مُرشد کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو جس رہبر میں اتنی ہمت نہ ہو کہ وہ اپنی نگاہ سے اپنے مرید کے سینے کو صاف کر سکے اور اس کے دل کو صاف کر کے اس میں نُور رکھ سکے، اس کو حق نہیں پہنچتا اپنے آپ کو پیر کہلانے کا۔ وہ رہبر نہیں ہے رہزن ہے، وہ رہزن کے روپ میں خود کو رہبر کہلاتے ہیں۔

تو اس وقت یہودیوں نے یہ سازشیں شروع کیں۔ میں اختصار سے یہ ذکر کر رہا ہوں۔ جب وقت آئے گا تو تفصیل بیان کروں گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کروایا گیا۔ دو ٹکڑے ہو گئے مسلمان۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب خلافت ملی تو امیر معاویہ نے چڑھائی کر دی اور بڑی عبرتناک جنگ ہوئی۔ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ایک فریق تھیں۔

میں آج ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہتا ہوں کہ مجھے اپنے رُوحی بچوّں سے بڑا پیار ہے۔ اگرچہ حکم نہیں ہے، لیکن اس میں اگر میں حد سے بڑھتا بھی ہوں، تو سزا بھی ملتی ہے۔ میرے دل میں

امیر معاویہ کے خلاف بڑا مواد ہے، سچّی بات ہے، حالانکہ میں پکّا اہلِ سُنت والجماعت ہوں۔ علماء کی صحبت اُٹھائی ہے، درس لئے اور پیرِ طریقت کی بھی صحبت اُٹھائی۔ یہ چند مہینے سے اس کا میرے دل میں اتنا بوجھ تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ سارا فتنہ جو تھا وہ یہاں سے اٹھا تھا۔ خلافتِ راشدہ یہاں سے ختم ہوئی تھی۔ ملوکیت یعنی بادشاہت یہاں سے شروع ہوئی تھی۔ کیونکہ انہوں نے ولی عہد مقرر کیا تھا۔

یہ کوئی سات آٹھ ماہ پہلے کی بات ہے کہ ایک روز میرے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلّم نے میری پریشانی، تنگی اور بوجھ کو دیکھ کر فرمایا "۔امیر معاویہ کا معاملہ میرے اور میرے اللہ کے درمیان ہے، یعنی اس کا فیصلہ ہونا ہے۔"

اس کا کیا مطلب؟ میں نے اپنی زبان اس لئے بند رکھی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے خود فرمایا تھا کہ میرے صحابہ کو بُرا مت کہو۔ امیر معاویہ کا بلند مقام تھا۔ یہ کاتبِ وحی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے قرابت دار بھی تھے۔ اتنے رشتے تھے، اس لئے میں نے اپنی زبان کو بند کیا ہوا تھا۔ لیکن سینے کو کیا کروں۔ دل کو کیا کروں۔ ڈر لگتا تھا۔ تو اس لئے میں نے آج یہ بات آپ کی تعلیم کے طور پر کہہ دی۔ تاکہ اس بات کو آپ سمجھ سکیں۔

یاد رکھو! حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا کہ "اے مسلمانو! میں

تمہارے پاس دو بڑی مقدس چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں۔ ایک کلام پاک، دوسرے میرے اہلِ بیت۔ اور میرے اہل بیت تمہارے لئے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ثابت ہوں گے۔ جو ان سے وابستہ ہوگا انشاء اللہ جنت میں جائے گا۔ گمراہ نہیں ہوگا۔"

عزیزانِ من! کلامِ پاک پڑھنے کے لئے بھی حکم ہے تَعقِلُونَ تَفَکَّرُوْنَ تَدَبَّرُوْنَ یعنی عقل کو بھی استعمال کرو، فکر کو بھی استعمال کرو، اور تدبّر کو بھی استعمال کرو۔ تاکہ تم سمندر سے موتی نکال سکو۔ کلامِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے فرمایا کہ یہ نُور ہے، ہدایت ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے اہل بیت کے لئے فرمایا کہ یہ نُوح کی کشتی ہیں۔

دو عجیب وغریب گروہ پیدا ہو گئے تھے۔ ایک کو رافضی کہتے ہیں، ایک کو خارجی کہتے ہیں۔ رافضیوں نے کہا کہ دونوں میں سے ایک کو چھوڑ دو اور ایک کو ہدایت کے لئے پکڑ دو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم شارحِ اعظم تھے۔ آپ کی زبانِ مُبارک کی نوک سے جو لفظ نکلتا تھا وہی شریعت بن جاتا تھا۔ نیکی اور بدی کس کو کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے جو اعمال تھے وہی نیکی ہیں۔ اور بدی وہ ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ناپسند کرتے تھے۔ تو ایک گروہ نے کہا کہ بس قرآن کافی ہے، ادھر کشتی کی طرف

جاننے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ خارجی ہیں جو کہتے ہیں کہ بس قرآن کافی ہے۔

عزیزانِ من! میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ قرآن کیسے کافی ہے۔ تمام قرآن پاک جو ہے وہ مجملتہً بیان ہے، یعنی اس میں اختصار ہے۔ اور تفصیل جو ہے وہ اللہ جلّ شانہ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ مبارک سے فرمائے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ "میرا معلّم اللہ جلّ شانہ ہے۔ اور اس نے مجھے سب کچھ سکھا دیا۔ مجھے ایسے علم عطا کئے ہیں جو ہو چکے ہیں اور جو قیامت تک ہونے والا ہے"۔

شریعت جو ہے، احادیث موجود ہیں، ان کے دائرے میں رہ کر قرآنِ پاک سے ہدایت حاصل کرو، نور حاصل کرو۔ پھر اس کے دائرے میں رہ کر پنجتن پاک سے محبت کرو۔ یہ میرا نکتہ سمجھ لیں آپ لوگ۔

جدید دور کے جو لوگ ہیں ان میں سے کسی کی آنکھ پہ کفر والی عینک ہے، کسی کی شرک والی، اور کسی کی علم کے غرور والی ہے۔ یہ لوگ حق بین نگاہ نہیں رکھتے۔ اگر ان میں حق بین نگاہ رکھنے والے ہوتے، تھوڑی سی عقل ہوتی جتنی کہ ایک مسلمان کے پاس ہونی چاہیئے، تو وہ غور کرتے ہوئے اللہ جلّ شانہ کی نماز کے بارے

میں اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے بارے میں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنا کلمہ مقرر کیا تو اس میں بھی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو علیحدہ نہیں رکھا۔ ہم نماز میں جو درود شریف پڑھتے ہیں، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی "آل" کو شامل کرتے ہیں، تو یہ کیوں ہے؟ اور اگر آپ "آل" نہیں پڑھیں گے، تو آپ کی نماز مکمل نہیں ہوتی۔ آپ چاہے کتنی بھی قرأت کریں۔ خضوع اور خشوع سے سجدے کریں، سلام پھیریں، لیکن آپ کی نماز نہیں ہوگی۔ اب اس میں بھی غور کرو جو میں نکتہ بیان کروں گا۔

عزیزانِ من! میں پھر ایک چیز کہے دیتا ہوں۔ کسی کو اگر جلدی جانا ہو، وہ آرام سے اٹھ کے جا سکتا ہے۔ لیکن جب میں یہاں بیٹھ جاتا ہوں تو میں پابند ہوتا ہوں۔ چاہے ایک بج جائے، چاہے دو بج جائیں۔ چاہے ساری مخلوق چلی جائے۔ اس وقت میں بھی حکم کے تحت بولتا ہوں، میرا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ نہ ہی مجھے پتہ ہوتا ہے کہ میں نے کیا بولنا ہے۔ جو بُلوا دیا جاتا ہے وہ بولتا ہوں، اور جو بُھلا دیا جاتا ہے وہ بھول جاتا ہوں۔

تو نکتے کی بات کیا ہے؟ آخر نماز کے اندر یہ "آل" کے ذکر کا آنا کیسے؟ یہ یوں ہے کہ اللہ جل شانہٗ علیم اور خبیر ہے۔ انہوں نے اپنی شان میں فرمایا۔ "وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ"

یعنی اللہ تو تمہارے دلوں کی باتیں جانتا ہے۔
تم کیا سمجھتے ہو۔ فرمایا۔

"اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ"

یعنی بے شک جو تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس کی خبر رکھتا ہے۔
تو جو ہونے والا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ جب قلم نے کہا کہ میں کیا لکھوں، تو اللہ تعالیٰ نے لکھوادیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لکھ جو ہو چکا، اور جو ہونے والا ہے"۔ تو قلم نے لکھنا شروع کیا۔
میرے پیارے عزیزو! اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ یہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی آل جو ہے، یہ اتنی بڑی قربانی دے گی اور میرے نام کو سر بلند رکھے گی۔ اور خون کا غسل حق ہو گا۔ اور اس وقت بھی جب تلواریں چل رہی ہوں گی، یہ کلمۂ حق انہی کی شان میں ہو گا۔ تین تین دن ان کے بچّوں کو بھی پانی نہیں ملے گا، اور یہ لوگ صبر کریں گے۔ لیکن اس حالت میں بھی جب ان کی شمشیریں چلیں گی تو اتنی اتنی کافروں کو ہلاک کریں گی۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ "جو میری آل پہ ظلم کرتا ہے، یا ان سے نفرت کرتا ہے، وہ جنّت کی خوشبو نہیں پائے گا"۔
میں یہ اس لئے کہتا ہوں کہ آج شیعوں نے اتنی اجارہ داری کی ہوئی ہے، حالانکہ حق ہمارا ہے، یعنی اہل سُنّت والجماعت کا۔

ظلم یہ ہے کہ آج ان لوگوں نے اپنا قبضہ کیا ہوا ہے کہ ہمیں کچھ ایسا لگتا ہے کہ آدمی اگر آل رسُول کی تعریف کرے تو شک ہونے لگتا ہے کہ یہ کہیں شیعہ تو نہیں ۔ (نعوذ باللہِ من ذالك)

عزیزانِ من ! دو چیزیں ہیں ۔ محبت اور ادب ۔ ادب کے بغیر محبت نہیں ۔ اور محبت کا پہلا قرینہ ادب ہے ۔ آپ جو کچھ آج کل دیکھتے ہیں، آہستہ آہستہ ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں یہ منافق لوگ ۔ یہ سب یہودیوں کے حمایت یافتہ ہیں ۔ انہوں نے جنگیں بھی کروائیں ہیں ۔ سب کچھ ہو گیا ۔ کیا کیا نہیں ہوا ۔ اگر آپ تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے نہایت ہی پیارے چچا تھے ۔ ان کو نہایت بے دردی سے شہید کیا گیا ۔ ایک ھندہ نامی عورت تھی، جو بعد میں مسلمان ہو گئی، اس نے آپ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا ۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو بڑا رنج تھا ۔ اس لئے کہ آپ کو اپنے چچا سے بہت پیار تھا ۔ آپ نے انہیں شہادت کے مرتبہ پر فائز کیا ۔

تو یہ بتائیے کہ کیا یہ لوگ نعوذ باللہ من ذالك حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے بڑھ کر ہیں ۔ اتنے بڑے سانحہ پر کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی چھاتی کو پیٹا یا امام بارہ قائم کیا ۔ کیا ماتمی جلوس نکالا گیا ؟ میں نے

پوری تاریخ کی کتب پڑھیں، لیکن کہیں ایسی بات سامنے نہیں آئی۔ تو پھر تم نے جو یہ طریقہ اختیار کیا ہے، یہ کہاں سے لیا ہے؛ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے ایک اتنا بڑا واقعہ رونما ہوا، تو اس کے ردِّ عمل میں حضور کی سُنّت کیا تھی اور آپ لوگوں نے اپنے یہ طریقے کہاں سے لئے ہیں۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے صاحبزادے کا جب انتقال ہوا تو عورتوں نے رونا شروع کر دیا۔ حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے جو سخت طبیعت کے تھے، سختی سے انہیں منع کیا۔ تو اس پر میرے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں "اے عمرؓ! ان کو مت روکو، آنکھ سے اور دل سے نکلنے والے آنسو جائز ہیں۔ بین کرنا ہی منع ہے۔ مگر اس طرح آنکھ سے جو آنسو بہہ جائیں، یہ رحمت بھی ہیں اور سکینۂ دل کا باعث بھی"۔

اتنا کچھ ہونے کے بعد ان لوگوں سے پوچھیں کہ یہ کون سی شریعت پہ عمل کر رہے ہیں۔ عجیب و غریب بات ہے! میں موضوع سے ہٹ گیا ہوں۔ مگر یہ ضروری تھا۔ اس لئے کہ ان کا باہم تعلق ہے۔

دان چیزوں کی چھان پھٹک ہونی چاہیئے۔ ان چیزوں کی روک

تھام ہونی چاہیئے۔ حقائق کتنے ہی تلخ کیوں نہ ہوں۔ ان کو کبھی بھی مسخ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ حقائق حقائق ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ میری طرف سے تمہارے لئے ایک ہدایت ہے کہ سرسری طور پر کتابیں نہ پڑھیں بلکہ حقائق کی گہرائیوں میں جائیں۔ یہ جاننے کی کوشش کریں کہ ان میں حکمت کیا ہے۔)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ "وقت کا ضائع کرنا بڑی خیانت ہے۔" اور ایک درویش نے کہا کہ" وقت ایک تلوار کی مانند ہے۔ جس نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا، یہ تلوار اسی کو کاٹ دے گی۔"

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پہ درود بھیجنا ہمارے لئے واجب کر دیا۔ پانچ وقت کی نماز میں تم درود پڑھتے ہی ہو۔ اس کے علاوہ جو درود شریف پڑھا جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے میں فرماتے ہیں "جو مجھ پہ ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اس کے دس گناہ معاف ہو جاتے ہیں، دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور اس کے دس درجے بلند ہوتے ہیں۔"

تو سیّدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا، خاتونِ جنّت رضی اللہ عنہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت ہی چہیتی صاحبزادی تھیں،

جب آپ آتی تھیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے تھے۔ آپ کو سینے سے لگاتے، ماتھے کو چومتے اور فرماتے کہ "اے فاطمہ! تیرے جسم سے جنّت کی خوشبو آتی ہے"۔

یہ نکتہ جو ہے یہ غور کرنے کا ہے۔ اور بھی نبیوں کی اولادیں ہوئیں کہ نہیں، پھر نکتہ کیا ہے؟ نکتہ یہ ہے کہ دوسرے نبیوں کی تخلیق مٹی اور پانی سے ہوئی تھی جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی تخلیق نُور سے ہوئی ہے۔ نُور سے تو نُور چلے گا۔ جس طرح مٹی سے مٹی چلتی ہے۔ اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے اہلِ بیت نُور علیٰ نُور ہیں۔ کوئی ان کی جُوتیوں کے خاک کے برابر بھی نہیں۔

ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلّم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں موجود تھے۔ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ آئے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کالا کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو اپنے کمبل کے اندر لے لیا۔ تھوڑی دیر بعد جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے انہیں بھی کمبل کے اندر لے لیا۔ اتنے میں سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ نے ان کو بھی کمبل کے اندر لے لیا۔ آخر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ آئے اور آپ

صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو بھی کمبل میں لے لیا اور فرمایا۔ ''اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں، تو ان کو پاک کر دے اور نجاست کو ان سے دُور کر دے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس طرح کیوں عرض کی؟ یہ اس لئے کہ نُور اور غلاظت اکٹھا نہیں ہو سکتے ہیں۔ آپ نے مال یا بادشاہت وغیرہ نہیں مانگی۔ آپ نے وہی مانگا جو آپ کی اصل تھا۔ اس لئے کہ آپ کی اصل نُور ہے۔

عزیزانِ من! دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک کو نزُول کہتے ہیں اور ایک کو عرُوج۔ نزول وہ ہے جو اوپر سے جب نیچے آتا ہے۔ عروج طریقت میں اور معرفت میں اس کو کہتے ہیں جو نیچے سے اُوپر جائے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نُورِ ازلی ہیں اور یہ مقام اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے حبیبِ کبریا کو عطا کیا۔ ان کی شان میں یہ بھی کہا کہ ''لَوۡلَاکَ لَمَا خَلَقۡتُ الۡاَفۡلَاکَ'' یعنی اے محمّد (صلی اللہ علیہ وسلّم)! تم نہ ہوتے تو میں عالمین کو پیدا نہ کرتا۔''

یہ سیج میں نے تمہارے لئے سجائی ہے، لیکن معاملہ میری سُنّت سے ہی ہو۔ میرا ایک طریقہ سلیقہ ہے، یعنی اس بھٹی میں سے تو گزرنا پڑے گا۔ میں نے اس نُور کو چھپالیا تھا کہ ابھی ہیں ظاہر

نہیں ہونے دُوں گا۔ میں تمہارا ظہور اس وقت ہونے دُوں گا، جب سارے نبیوں کا ظہور ہو جائے گا۔ جب سب اپنے اپنے کمالات دکھا چکے ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے جتنے انبیاء کرام آئے تھے، ان میں سے ہر ایک میں ایک ایک، دو دو صفتیں موجود تھیں۔ اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلّم میں اُن تمام انبیاء کی ساری صفتیں یکجا موجود تھیں۔

تو وہ نُور جو تھا، یعنی وہ عقل اوّل جو تھی، نُور کی شکل میں پہنچتے پہنچتے حضرت آدم علیہ السلام میں جلوہ گر ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیثِ مبارکہ ہے کہ "اے جابر! سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی، وہ تیرے نبی کا نُور تھا۔ اور پھر اس نُور سے تمام مخلوقات پیدا کیں"۔

جو نُور حضرت آدم علیہ السلام کے اندر آیا تھا، وہ آدم علیہ السلام کی ساری نسل میں پھیلا۔ حتیٰ کہ وہ نُور حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن میں بصورتِ بشر وجود میں آیا۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی وہ جہت بشری تھی، جو لوگوں کے آگے آگئی۔ یعنی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پہ پردہ تھا، وہ چالیس کے

بعد مقررہ وقت یہ اُٹھا یا گیا۔ اس سے پہلے یہ تھا کہ آپ جدھر سے گزرتے تھے، حجر، شجر سب آپ کو سلام کہتے تھے۔ آپ حیران ہوتے تھے کہ یہ سب کیا ہے۔

چالیس برس کے بعد جب اقراء لے کے حضرت جبرائیلؑ آئے، تو پھر یہ نُور بشر کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس کے بعد آپ نُور نہیں رہے۔ لیکن اس طرح نہیں ہے، کیونکہ نُور نُور ہی رہتا ہے۔

بادشاہ اگر رات کو اپنے اُوپر کمبل سا ڈال کے گشت کرتا ہے تو کیا وہ بادشاہ نہیں رہتا۔ وہ سارے شہر کا گشت کرتا ہے، اور جہاں ضرورت پڑے وہاں ظاہر ہوتا ہے کہ "مابدولت" ہیں۔

توسوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشری جہت کیوں دی؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلے لوگوں نے اپنے نبیوں کے معجزے دیکھے تھے۔ مثلاً حضرت عزیز علیہ السّلام سوسال حالتِ موت میں رہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے تو ان لوگوں نے سمجھا کہ خدا یہی ہیں یا کہا کہ یہ خدا کے بیٹے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پہ تمام چیزوں کا کمال ختم کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ وَرَضِيْتُ

لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۝

ترجمہ: آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لئے تمہارا دین، اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا ہے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین۔"

اسی نسبت سے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت کے بارے میں فرمایا کہ تم تمام اُمّتوں میں خیر الاُمّت ہو۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ "اگر نمونہ ہے زندگی کا، تو تمہارے لئے بہترین پیروی حضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی ہے۔"

اس لئے عزیزانِ من! جب حدیث شریف کا درس دیا جاتا ہے، تو اس میں مباشرت یا ازدواجی تعلقات سمیت ساری چیزوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے کوئی چیز چھپائی نہیں۔ مجھے بڑے سے بڑا لیڈر بتا دیں یا کوئی نبی جس نے یہ باتیں بتائی ہوں۔ کیونکہ اسے پتہ ہے کہ اگر ایسی باتیں بتا دیں گے یا لکھ دیں گے تو ہو سکتا ہے کہ کوئی اعتراض کرے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ یہ بات نہیں تھی۔ بات حکمِ ربّی کی تھی، جس کی تعمیل کی گئی۔ اسوۂ حسنہ کہہ رہی ہے کہ اگر میں نے اپنی جنسی زندگی کا اتنا حصّہ بھی چھپایا تو پھر لوگ اگر اس طرح عمل نہ کریں گے تو گناہ ہوگا۔

چنانچہ آپ دیکھیں کہ جن نبیوں نے یہ تعلیم نہیں دی، آج جنسی بے راہ روی کے حوالے سے یورپ میں یا مغرب میں ان کے اُمّتی کس حال

میں ہیں، یا اُن لوگوں کی پیروی میں یہاں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ سب جانتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا وہ نُور جو تھا، اُس نُور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے اہلِ بیت کی تخلیق ہوئی۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے تھے کہ "حسن اور حسین میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اُن دونوں کو اتنا چُومتے تھے کہ بس رونا آتا ہے، اُن ملعونوں پر جنہوں نے اُن چہروں پر تلواریں چلائیں جن پہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم بوسے دیتے تھے۔ خُدا اُن بدبختوں کو ابدالآباد تک جہنّم میں رکھے۔

آپ رضی اللہ عنہا جب آتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کھڑے ہو جاتے تھے، سینے سے لگاتے تھے، ماتھا چُومتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا صبر وایثار کی کھیتی تھیں، اور اس کا ثمر آپ کو دُنیا ہی میں ملتا تھا۔ تحمّل وبردباری آپ کے تخُم میں شامل تھی۔ خاوند کی اطاعت میں آپ نے اپنی ذات کو گُم کر دیا تھا۔ "سختی" سے کہہ دیا تھا کہ "میں نبی کی بیٹی ہوں"۔ غرض یہ کہ یہ سارے اوصاف ظاہر تھے۔

عزیزانِ من! اہلِ بیت کی شان یہ ہے جو میں اب بیان کر رہا ہوں۔ آپ جب غمگین ہوتیں تو آنسو آجاتے۔ ایسے موقع پہ حضرت جبرائیل علیہ السّلام آپ کے آنسو زمین پہ نہیں گرنے دیتے

تھے۔ اسی وقت اپنے ہاتھ پہ اٹھا کر عرشِ بریں پر لے جاتے، اور ان کو اس طرح بکھیر دیتے جیسے شبنم گرائی جاتی ہے۔ اِس ہستی کا مقام یہی تھا۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہوتے ہوئے پھر بھی سخت سے سخت مصیبتیں اُٹھائیں۔ حتیٰ کہ جب مسلمانوں کو تین سال تک محصور کر دیا گیا، اور پھر یہاں تک کہا کہ غلّے کا کوئی دانہ تک اُن تک نہ پہنچے، تو سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس وقت بچّی تھیں، لیکن حضور کے برابر بھوک، پیاس، جو بھی تکلیف تھی، آپ برداشت کر لیتی تھیں۔

عزیزانِ من! اس وقت حالت یہ تھی کہ ایک صحابی پہ بھوک کا اتنا غلبہ تھا کہ وہ مارے مارے پھر رہے تھے۔ انہیں ایک چمڑے کا ٹکڑا ملا، اس کو انہوں نے صاف کر کے بھون دیا۔ پھر اس کو پانی میں ڈال کے اس طرح پکایا جس طرح ستّو بناتے ہیں، اس طرح انہوں نے پکا کے کھایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا دستور تھا کہ جب باہر سے قبیلے آتے تو آپ دعوتِ اسلام دینے کے لئے تشریف لے جاتے تھے، ایسے موقعوں پر کُفّار آوازیں کستے، اور آپ کو گالیاں دیتے تھے اور کچھ لوگ کہتے کہ (نعوذ باللہ من ذالک) یہ مجنون ہے، پاگل ہو گیا ہے، طرح طرح کی آپ کو اذیتیں دی جاتی تھیں۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کعبہ کے اندر نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل خبیث وہاں بیٹھا ہوا تھا، دوسرے لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوجہل ہنستا جا رہا تھا اور دوسرے لوگ بھی قہقہے لگا رہے تھے۔ اس نے کہا کہ " فلاں قبیلے میں آج اونٹ ذبح ہوا ہے۔ تم میں سے کوئی ہے جو جا کر اس اونٹ کی اوجھڑی اٹھا لائے"۔ ایک بولا " میں جاتا ہوں"۔ چنانچہ وہ گیا اور گوبر اور خون سے بھری اونٹ کی اوجھڑی اٹھا لایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم جب سجدے میں گئے تو اس بدبخت نے وہ آپ کے اوپر ڈال دی۔ بہرحال کسی طرح یہ بات حضرت سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو پہنچی، آپ تڑپتی ہوئی وہاں پہنچیں، جلدی سے اوجھڑی ہٹا دی اور فرمایا " اے شریرو! تمھیں خدا اس شرارت پر ضرور سزا دے گا"۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ابوجہل نے تھپڑ مار دیا۔ آپ اسی حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئیں اور کہا " ابا جان! مجھے ابوجہل نے تھپڑ مارا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم تڑپ گئے۔ اولاد کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو جو محبت تھی وہ نہ کسی کو پہلے تھی اور نہ کسی کو ہوگی۔ نہ کسی نبی کو نہ کسی مصلح کو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ " جا کے ابوسفیان کو یہ واقعہ

سُنا دو۔ ابوسفیان کافر تھے۔ قرابت داری تو تھی، مگر کافر تھے آپ گئیں اور سارا واقعہ سُنا دیا۔ اُن کو بڑا غصہ آیا۔ تلوار اُٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ سیدہ کی اُنگلی پکڑی اور کہا ”چلو میرے ساتھ“۔ دونوں جب خانہ کعبہ پہنچے تو ابوجہل وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ ابوسفیان نے کہا ”بیٹی، جس طرح اس نے تجھے تھپڑ مارا ہے، اسی طرح اس کے مُنہ پر تھپڑ مارو۔ میں دیکھتا ہوں، اگر یہ ہلا تو میں اس کی طبیعت صاف کر دوں گا“۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کس کے تھپڑ مارا۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ ایک وقت آیا کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور صحابی ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا، تو خبر پھیل گئی کہ سب کو قتل کر دیا جائے گا۔ ابوسفیان نے عرض کی ”یارسُول اللہ! نسل ختم ہو جائے گی“۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ایسا تو نہیں ہے“۔ پھر جس صحابی نے یہ کہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فوج سے فارغ کر دیا اور اعلان فرما دیا کہ فلاں فلاں جگہ جو پناہ لے گا اُس کو امان ہے۔ حرم شریف میں جو پناہ لے گا اُس کو امان ہے اور ابوسفیان کے گھر میں جو پناہ لے گا اُس کو بھی امان ملے گا۔ اس طرح معاملہ ختم کر دیا۔

حالت یہ ہوتی تھی کہ مسلمانوں پہ پانی بھی بند کر دیا جاتا تھا۔ ایک

ایسے ہی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابہ سے حبشہ چلے جانے کا حکم دیا۔ بعد میں اللہ نے یہ فضل کیا کہ مدینہ شریف میں تبدیلی آنی شروع ہوگئی۔ وہاں کے لوگ جب حج کے موقع پر آتے تو اُن میں سے کچھ مُسلمان ہوکر واپس چلے جاتے تھے۔ اس طرح ہوتے ہوتے اُن کی تعداد ستر کے قریب پہنچ گئی۔ انہوں نے عرض کی ـــ

"یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ حاضر ہے۔ آپ اسے اپنے قدموں سے پاک کر دیجئے"۔

تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف ہجرت کر گئے، تو راستے میں مسجد قباء بنا ڈالی اور وہاں قیام کیا۔ اور مسجد قباء کو یہ فضیلت دی کہ وہاں کی ایک نماز ایک عمرے کے برابر ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور جب مدینہ کے قریب پہنچے تو چھتوں پر جوان لڑکیاں استقبالیہ اشعار گا رہی تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا "کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟" کیا پیارا انداز ہے۔ انہوں نے کہا "ہم دل و جان سے آپ پر قربان ہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں بھی تم سب سے محبت کرتا ہوں"۔

مدینہ منورہ پہنچنے پر ہر صحابی کی یہ ضد تھی کہ حضور ہمارے ہاں قیام فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جہاں میری اُونٹنی

کھڑی ہوگی، میں وہیں قیام کروں گا"۔ جس مقام پر اُونٹنی کھڑی ہو گئی آپ نے فرمایا، "یہ ٹکڑا زمین کا میرے لئے دے دیں"۔ انہوں نے کہا، "یہ جگہ یتیم بچّوں کی ہے"۔ آپ نے فرمایا کہ "ہاں، پیسے لے لیں"، چنانچہ آپ نے اس کی قیمت ادا کر دی۔

جب ہجرت ہوئی تو اس کے کچھ عرصے کے بعد حضرت سیّدہ فاطمہ زہرا، خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا جوان ہوگئیں۔ میں یہاں ایک بات واضح کر دوں۔ کوئی کہتے ہیں کہ جی نو سال کی عمر میں شادی کر دی، اور سُننے والے بھی حیران ہو جاتے کہ اوہ، نو برس!

او بندۂ خدا، عرب میں آٹھ نو سال کے درمیان لڑکی بالغ اور شادی کے قابل ہو جاتی تھی، وہ اتنا گرم ملک ہے، اب رہا شادی کا معاملہ، تو یہ بڑا اہم معاملہ ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ مجھے عقد میں دے دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کوئی جواب نہیں دیا، صرف یہ فرمایا کہ "میں اللہ کے فیصلے کا انتظار کر رہا ہوں"۔ پہ کچھ عرصہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہی جواب دیا۔ پھر ان سب نے مشورہ کیا کہ چونکہ رشتے کے بارے میں کسی کو شرفِ قبولیت نہیں ہو رہا، تو کیوں نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے بارے میں بات کی جائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ شان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم

نے فرمایا کہ "یہ مجھ سے ہیں اور میں اِس سے ہوں۔ جس کا میں مولیٰ ہوں، اُس کا علی مولا ہے"۔ آج جو سُنّیوں کو بات کرتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے، اس پہ مجھے افسوس ہے۔ اور میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ اس فقیر کو جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ پنجتن پاک کی محبت کی وجہ سے ہوا ہے اور بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ اُن سب کی نگاہیں آپ پر ہیں۔ آپ پر جب گرم ہوا چلتی ہے اور مجھے جو تکلیف ہوتی ہے، تو پھر وہاں گھنٹیاں بجنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اور آپ لوگوں کے معاملے "پہلی ترجیح" کے طور پر وہاں پیش کیئے جاتے ہیں۔

پاکستان میں اتنے سلسلے ہیں، اتنے درویش ہیں، فقیر ہیں، کبھی اپنے حلقے جیسی شان بھی دیکھی ہے۔ کہیں کھا پی رہے ہو، بہترین کپڑے پہن رہے ہو، ورد بھی کیا ہے، سب کچھ کیا ہے۔ کسی نے منع کیا ہے یہاں؟ کیا آپ کو کہا ہے کسی نے کہ فلاں کام مت کرو۔ فلاں چیز مت کھاؤ یا پلاؤ مت کھاؤ یہاں؟

وجد کے بارے میں آپ کو بتا تا چلوں کہ حضرت بدرالدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے شیخ المشائخ تھے۔ اُن کا حکم تھا کہ "جب سماع ہو تو مجھے فوراً بلا لیا کریں"۔ ان کی کمزوری اتنی تھی کہ کروٹ بدلنے کے لئے خادم کو کہا جاتا تھا، چنانچہ ان کے لئے ڈولی منگوائی جاتی تھی۔

اس میں آپ کو بٹھایا جاتا تھا، وہاں سے اٹھا کے سماع میں بٹھا دیئے جاتے تھے۔ جب ڈیڑھ دو بجے کسی غزل پہ وجد میں آتے، تو آپ اس طرح ناچتے جیسے کوئی چھوٹا بچہ ہوتا ہے، ایک ایک دو گھنٹے تک۔ تمام مشائخ نے ایک دن کہا "اے شیخ! تیرا یہ کیا حال ہے، ایک طرف تو کروٹ بدلنے کے لئے نوکر اور دوسری طرف یہ حال کہ ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹے رقص کرتے رہتے ہیں"۔ آپ جذب میں آ گئے، فرمایا:

شیخ نمی رقصد، عشق می رقصد

یعنی وہ شیخ ناچ نہیں رہا تھا، وہ عشق کا ناچ تھا۔

ہر جا کہ عشق است، او جا رقص است

یعنی جہاں عشق ہے وہاں رقص ہے۔

تو عزیزانِ من! حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان یہ ہے کہ آپ کی والدہ محترمہ نے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو پالا اور آپ اُن کو اپنی ماں کہتے تھے۔ اور جب اُن کا وصال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو اپنا لباس پہنایا۔ آپ پھر خود قبر مبارک میں لیٹے۔ جب پوچھا گیا تو فرمایا "اپنا لباس اس لئے دیا کہ جنت میں ان کو خلعت عطا ہو، اور قبر میں اس لئے لیٹا ہوں کہ اُن کی قبر کشادہ ہو"۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ولادت کی شان یہ تھی۔ مولوی کہتے ہیں کہ اُن کی ولادت خانۂ کعبہ میں ہوئی، مگر کیا کوئی آپ کو بتاتا ہے

کہ کیسے ہوئی؟ بس مولوی ہی چوٹ دیتا ہے مسلمانوں کو۔ مولوی صرف اپنے حلوے کی فکر میں رہتا ہے۔

عزیزانِ من! آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ جب خانہ کعبہ گئیں، تو اچانک اُن کو دردِ زہ شروع ہوا۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بطنِ مادر میں تھے اور وہ حاملہ تھیں۔ جب دردِ زہ ہوا وہ وہیں جا کر ایک طرف لیٹ گئیں۔ اور وہیں آپ کی ولادت ہوئی۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ کی ولادت بھی خانہ کعبہ میں ہوئی اور آپ کی شہادت بھی اللہ کے گھر میں ہوئی۔

ولادت کے بعد آپ نے تین دن تک آنکھیں نہیں کھولیں۔ آپ کی والدہ بہت پریشان تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب گئے تو آپ نے اُن کو اپنی گود میں لیا اور اپنی زبان ان کے مُنہ میں ڈال دی۔ جونہی زبان ڈالی، آپ نے آنکھیں کھول دیں۔

صحابۂ کرام اپنی جگہ۔ وہ ہمارے سروں کے تاج ہیں، مگر فضائل میں وارث کی بات اور ہے۔ فضائل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان اور ہے۔ آپ علم کا خزانہ تھے۔ یہاں تک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ سے مشورہ کئے بغیر کوئی قدم نہیں اُٹھاتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو آپ کے متعلق یہاں تک فرما دیا کہ "اگر علی نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہو جاتا۔" ایسے ایسے فضائل ہیں آپ کے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ساتھیوں نے کہا" حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی صاحبزادی اب جوان ہیں، شادی کے قابل ہیں، آپ کیوں نہیں کہتے"۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا" میں کس مُنہ سے کہوں"۔ اصل میں آپ کی بساط نہ تھی، غربت اور افلاس کی وجہ سے۔ ایک دفعہ ہمت کر کے گئے، بیٹھے، کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ چُپ چاپ چلے آئے۔ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا۔ "علی! تم آئے تھے"۔ آپ نے عرض کی "جی ہاں"۔ پوچھا "پھر"۔ کہا" حضور کو تو سب علم ہے، میں جراُت نہیں کر سکتا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا" مجھے تو علم ہے، مرحبا مرحبا"۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ "یہ تجویز ہے۔ تمھارا کیا خیال ہے"؟

تو عزیزانِ من! جب نکاح ہوتا ہے تو یہ چیزیں ہوتی ہیں۔ آج بھی یہ دستور ہے کہ عورت کہتی ہے کہ" میں نے قبول کیا"۔ یا خاموش رہتی ہے۔ شریعتِ مطہرہ کی رُو سے عورت کی خاموشی اس کی قبولیت سمجھی جاتی ہے۔ تو اس وقت بھی اس طرح حیا غالب تھی، آپ خاموش رہیں۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا" اے فاطمہ، میں آدمیوں میں سے بہترین انسان دے رہا ہوں"۔

عزیزانِ من! میاں بیوی چاہے نبی، ولی، فقیر ہوں، اُن میں کچھ رنجش ہو جاتی ہے۔ مگر ہماری آپ کی اور اُن کی رنجش کی نوعیت دوسری ہوتی ہے۔ کبھی اظہار آنکھوں سے ہوتا ہے یا کبھی چہرے کی شکنوں سے کہ کوئی چیز گراں گزر رہی ہے۔

اب تو حالت یہ ہے کہ حکم ہو گیا ہے کہ ولیمہ نہیں ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "علی! تمھارے پاس کیا ہے؟" آپ نے عرض کی "میرے پاس ایک گھوڑا اور ایک زِرہ ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ "گھوڑا تو نہیں، اس لئے کہ وہ جہاد کے لئے ضروری ہے مگر زِرہ بیچ ڈالو"۔ اسی وقت حضرت عثمان نے وہ زِرہ پانچ سو درہم میں خرید لیا۔ اور خریدنے کے بعد وہ زِرہ بھی آپ کو تحفہ کے طور پر دوبارہ دے دیا۔ اسی طرح دوسرے لوگوں نے بھی کچھ تحفے وغیرہ دیئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی پیاری بیٹی کو اپنی حیثیت کے مطابق عام استعمال کی گھریلو چیزیں جہیز میں دیں۔ مثلاً مشکیزہ، گھڑا وغیرہ، کُل دس چیزیں تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ "اے علی! ولیمہ کرو"۔ دیکھئے اس بات کی کتنی اہمیت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ شادی کے بعد ولیمہ واجب ہے۔ جب نکاح ہو تو اس وقت حضور نے کھجوروں

کا ایک بہت بڑا تھیلا تقسیم کرا دیا۔ اس کے بعد چھوہارے تقسیم کئے اور کچھ شہد بھی۔ آج تک چھوہاروں کی رسم چلی آ رہی ہے۔

چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان درہموں سے کچھ چیزیں خریدیں اور اسی رقم سے ولیمہ کا بھی انتظام کیا۔ گوشت پکوایا اور ایک خاص قسم کا ملیدہ بنوایا۔ اس کے علاوہ شہد وغیرہ تھا۔ لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ اس سے بہتر ولیمہ ہم نے کبھی نہیں کھایا اور یہ سب کچھ عُسرت میں کیا تھا۔

یہاں یہ "ون ڈش" کا چکر ہے۔ اور ساتھ ہی یہ خبر دوسرے دن ہوتی ہے کہ پچاس آدمی تھے اور تیس ڈشیں تھیں۔ تو ون ڈش کا کیا ہوا۔ میں پوچھتا ہوں کہ ون ڈش کدھر گئی۔ ایک طرف تو کہا جاتا ہے کہ آٹے کی کوئی کمی نہیں۔ اسی اخبار میں یہ خبر بھی ہے کہ آپس میں تصادم ہوئے، رائٹس (بلوے) ہوئے۔ اتنے آدمی مارے گئے۔ فلور ملیں لوٹی گئیں۔ آٹا جو ہے وہ بیس روپے تک پہنچ گیا ہے۔ ابھی یہ ہماری محترمہ رابعہ صاحبہ نے آٹا منگوایا۔ آپ کو پتہ ہے، یہ ان گھروں کی بات ہے جہاں کوئی کمی نہیں۔ آٹا بیس روپے کلو ملا ہے۔ پانچ کلو لیا ہے انہوں نے، بیس روپے فی کلو کے حساب سے۔

یعنی یہ لوگ ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں کہ آپ نیکی بھی نہ

کر سکیں۔ کسی فقیر کو کھلا بھی نہیں سکتے۔ کسی جگہ قحط پڑا تھا، تو ایک فقیر نے صدا دی کہ "بیگم صاحبہ بھوک کے لئے کوئی کھانا ہے؟" بیگم نے جواب دیا "ہے تو سہی مگر وہ دفتر میں ہے، ابھی چھٹی لی ہے اور آ رہے ہیں"۔

اب یہ حال ہے کہ اگر میاں آتا ہے اور بیوی سے پوچھتا ہے کہ "کیا پکایا ہے، یہ روٹی کیسی ہے"؟ تو وہ کہتی ہے "آٹا ہی ایسا ہے، میں کیا کروں۔ اور جب پوچھا کہ "نوکر کو کیا کہا جائے"؟ تو کہا۔ "اس کی چھٹی کر دو، بیس روپے سیر آٹا ملتا ہے، نوکر کیسے رکھیں"۔ یہ ایسے کیوں ہے؟ اور جو میں نے بیان کیا، وہ ایسے کیوں تھا؟

اُس وقت جو لوگ سچے دل سے ایمان لے آئے تھے، وہ نُورِ نبوّت کی روشنی سے دیکھتے تھے۔ اُن کی آنکھوں پہ ایک عینک چڑھا دی گئی تھی۔ جب کسی نے کہا کہ حضور کو یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو کوئی دیکھ لے، تو اس پہ آگ حرام ہے، تو دوسرے نے کہا کہ ابوجہل بھی ہے، ابولہب بھی ہے، ان کے متعلق کیا خیال ہے؟ تو وہ جذب میں آ گئے کہنے لگے کہ خدا کی قسم ابوجہل اور ابولہب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو عبداللہ کا بیٹا سمجھ کر دیکھتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو کبھی حبیبِ کبریا سمجھ کر نہیں دیکھا۔ ان کا ٹھکانا دوزخ میں ہے۔

تو خیر مولائے کائنات رضی اللہ عنہ نے بڑا پُرتکلف ولیمہ دیا۔ لوگ بہت خوش تھے، اور آپ رضی اللہ عنہا بھی بہت خوش خوش رہنے لگیں۔ لیکن چار موقعے ایسے آئے کہ کچھ رنجش ہوئی۔ اگر یہ نہ ہوتی تو بشریت کے تقاضے پورے نہ ہوتے۔ بیٹا بھی باپ سے ٹکرا ئے ماں بھی بیٹی سے ٹکرائے، میاں بیوی کے تو رشتے ہی ایسے ہوتے ہیں۔ یہ تو وہ دو برتن ہیں جو ٹکراتے ہی رہتے ہیں۔ ٹن ٹن کی آواز آتی ہی رہتی ہے۔ پڑوسی سُنتے رہتے ہیں۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے بیاں کیا کہ یہ تکلیف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "بیٹی شوہر اور بیوی کا رشتہ ہی ایسا ہے۔ انتہائی شیریں ہے۔ مگر کبھی کبھی ایک دوسرے سے شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔"

دوسری دفعہ جب ایسا ہوا، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے نظر اُٹھائی تو، دیکھا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ پیچھے پیچھے چلے آرہے ہیں۔ جب حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی شکایت بیان کی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "میری بیٹی' اس پہ تو غور کرو کہ کیا کوئی شوہر اپنی بیوی کے پیچھے آتا ہے، جب وہ اس کی شکایت کرے؟

اسی طرح ایک اور واقع ہوا جس کی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ "بوتراب" مشہور ہو گئے۔ آپ لوگوں نے بوتراب کا لقب تو

سُنا ہوگا مگر اس کا ایک واقعہ ہے۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلّم حضرت سیدہ کے گھر تشریف لے گئے۔ فرمایا "میری پیاری بیٹی، تیرا خاوند رات کہاں گیا تھا؟" آپ رضی اللہ عنہا نے کہا "کچھ ناراضگی ہوگئی ہے، اور وہ اس خفگی کی وجہ سے کہیں چلے گئے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ کہاں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو پریشانی ہوئی، پتہ کرنے گئے۔ معلوم ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہ مسجد میں لیٹے ہوئے ہیں اوندھے مُنہ۔ اس وجہ سے مٹی بھی لگی ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بڑا پیار تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ کا پیٹ کچھ بڑا تھا اُوپر سینے تک۔ بچے مذاق کرتے تھے کہ یہ بڑے پیٹ والے ہیں۔ آپ پوچھتے تھے کہ یہ بچے کیا کہہ رہے ہیں؟ جواب ملتا کہ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ بڑے پیٹ والے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے "اُن کو کہو کہ یہ پیٹ طعام کے لئے ہے، اور اُوپر کا حصہ، یعنی سینہ اس لئے بڑا ہے کہ اس میں علم کا نُور بھرا ہوا ہے"۔

تو ایسے لطائف آئے دن ہوتے رہتے تھے۔ بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلّم وہاں تشریف لے جاتے ہیں اور بڑی محبت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مُنہ سے مٹی صاف کرتے ہیں اور فرماتے ہیں "اٹھو بوتراب!

(یعنی اٹھو مٹّی کے باپ) اٹھو بوتراب! اٹھو بوتراب! آپ رضی اللہ عنہ فوراً اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "آؤ میرے ساتھ" اور اس طرح انہیں گھر لے جاتے ہیں۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزھرا رضی اللہ عنہا کو ایک دفعہ بُخار ہو گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پریشان ہو گئے اور وہ بھی ان کے ساتھ جاگتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ مسجد میں سب سے پہلے آئے۔ واپس گھر آئے تو دیکھا آپ رضی اللہ عنہا چکّی پیس رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ "جب آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تو یہ کیا ہے"۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ "میں نے وضو کیا اور نماز پڑھی اللہ کے لئے اور چکّی پیس رہی ہوں تمھاری اطاعت کے لئے اور تمھارے بچّوں کے لئے"۔

جب ٹی وی کی خبروں کے بعد یا ڈاکومنٹری پروگرام وغیرہ کے بعد میں کبھی سوچتا ہوں کہ یہ دوسری مخلوق (عورت) کیا کر رہی ہے۔ اور ساتھ ساتھ جب دکھاتے ہیں ان کا تنقیدی نظریہ وغیرہ، تو میں اس وقت رابعہ سے کہتا ہوں کہ "آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ بیوی بن سکتی ہیں کسی گھر کی؟ کیا یہ کسی شوہر کی اچھی بیوی بن سکتی ہیں؟" وہ تو مار کھاتی رہے گی ساری عمر جب تک طلاق نہیں ہو جائے گی۔ آج کل طلاق کا ریٹ کیوں بڑھا ہوا ہے۔ قناعت نہیں۔ حرص بہت بڑھ

گئی ہے۔کسی کے گھر صوفہ دیکھ لیا، تو خاوند پر طعنے شروع ہو گئے کہ فلاں کے گھر ایسے صوفے ہیں تو ہمارے گھر میں کیوں نہیں۔ خاوند مجبور ہو جاتا ہے۔ یعنی ہاں کرنے سے اس کا مُنہ کالا ہو گیا۔

ہمارے قبلہ بھائی جان رحمتہ اللہ علیہ بڑے خوش مزاج تھے، بچّوں کے ساتھ بچّہ بن کے کھیلتے تھے، اُن کی آوازیں نکالتے اور ہنستے تھے۔ میں نے اُن سے ایک دن کہا۔"آپ کے پاس جو لوگ آتے ہیں،آپ ہر ایک سے اسی کی طرح بات کرتے ہیں۔ بچّے ہوں تو بچّہ بن گئے، اور تاجر آتا یا امیر وغیرہ تو ان سے مذاق کرتے کہ سُنائیں بھئی کیا حال ہیں۔عورتیں آتی ہیں تو آپ ان سے پوچھتے ہیں تمہارا خاوند ٹھیک ہے۔حالانکہ یہ باتیں آپ کے اعلیٰ رُوحانی مرتبہ کے مطابق نہیں"۔ فرمانے لگے۔" افضل میاں! میں اُن سے اور کیا بات کروں"۔ میں نے کہا۔"کیوں"؟ فرمایا۔"آج تک مجھ سے خدا کی راہ پوچھنے والا کوئی نہیں آیا، میں انتظار میں بیٹھا ہوں، میں اس لئے بچّوں سے بات کرتا ہوں کہ خوش ہو جاتے ہیں اور ان کے مُنہ کھل جاتے ہیں"۔

ایک بہت بڑا کپڑے کا تاجر تھا۔وہ بیٹھے ہوئے تھے اور اُن کی بیوی بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ قبلہ بھائی جان رحمتہ اللہ علیہ سے کہنے لگی۔"حضور یہ جو کہتے ہیں کہ چڑیلیں ہیں چمٹ جاتی ہیں، یہ بتائیے کہ یہ کیسے چمٹ جاتی ہیں"؟ بھائی جان فرمانے لگے۔" جیسے تو اپنے

خاوند سے چمٹی ہوئی ہے۔" ایسا برجستہ جواب دیتے تھے، تو آج کل جو شادیاں ہو رہی ہیں، ماڈرن چڑیلیں جس پہ بھی چمٹ گئیں تو وہ بھاگے گا کہ "مجھے بچاؤ، مجھے بچاؤ، اس کو ہٹاؤ" یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ ایک دن میں کیسے تربیت دے سکتے ہیں۔

مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک دن فرمایا۔ "اے فاطمہ! تیرے ہاتھوں پہ پنڈیاں پڑ گئی ہیں چکی پیس پیس کے اور گھر کا کام کرتے کرتے۔ تیرے پاس کوئی غلام نہیں اور نہ کوئی باندی ہے۔ جا اپنے والد سے عرض کر۔ مالِ غنیمت آیا ہوا ہے اُن میں غلام بھی ہیں اور باندیاں بھی۔ جاؤ اپنے والد صاحب سے عرض کرو کہ یہ تیرا حال ہے۔ اتنی مشقت اٹھاتی ہو۔"

چنانچہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہاں گئیں۔ وہاں اور بھی آدمی تھے۔ آپ کو کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑی۔ اور واپس آگئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے آپ سے دوسرے روز فرمایا "فاطمہ! جانِ پدر! تم کل آئی تھیں، کیا بات تھی؟" کہا "علی نے بھیجا تھا، میری حالت کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ کہتے ہیں کتنی مشقت میں ہو تم، کتنی مصیبت برداشت کر رہی ہو۔ آج غُلام اور باندیاں آئی ہوئی ہیں، جاؤ اپنے والد صاحب کو ہاتھ دکھا کے ایک غُلام لے آؤ۔"

آپ کو پتہ ہے کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا جواب دیا۔ اُن پہ ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں درُود و سلام، اُن کی آل پہ، اولاد پہ، ازواج پہ اہلبیت پہ بھی ہزاروں کروڑوں درود و سلام۔ آپ نے فرمایا" اے فاطمہؑ سب سے پہلا حق اصحابِ صُفّہ کا ہے۔ اس کے بعد معرکۂ بدر کے شہیدوں، یتیموں اور بیواؤں کا حق ہے۔ تمھاری تو باری ہی نہیں آتی۔ میں تمہیں ایک بات نہ بتادُوں' وہ یہ کہ دس مرتبہ سُبحان اللہ، دس مرتبہ الحمدللہ، دس مرتبہ اللہ اکبر پڑھ کر اپنے اوپر پھُونک مار دیا کرو۔ اور رات کو سوتے وقت ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ کر جسم پر پھیر دے' تمھاری تھکن دُور ہو جائے گی تم تازہ دم ہو جاؤ گی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ بات بتائی اور پھر ہمیشہ یہی کرتی رہیں۔

اب تو میں کسی سے نہیں ملتا۔ پہلے جو عورتیں ملنے آتی تھیں، ان کو علیحدہ وقت دیا جاتا تھا۔ ان کے پاس سوائے اپنے خاوندوں کی شکایت کے کچھ نہیں تھا۔ دوسرا یہ کہ ہم کام کر کر کے تھک جاتی ہیں'۔ میں ان کو کہتا تھا کہ آپ یہ وظیفہ کر لیا کریں، تھکن دُور ہو جائے گی"۔ کہتیں نہیں میرا کچھ اور مطلب ہے۔ پوچھا۔ کیا مطلب ہے؟ میں پیر نہیں جو آپ کو بھی وظیفہ دُوں اور اُسے بھی۔ میری بلا سے کہ آپ آئیں یا نہ آئیں، آپ کے خاوند آئیں یا نہ آئیں۔ ہمیں تو غم بس اُس

وقت لگتا ہے جب ہمارا اللہ آنکھ پھیر لیتا ہے، اس وقت ہم اپنے عمل پر غور کرتے ہیں، ہمیں کچھ نظر نہیں آتا۔ شیرہ جب تک ہے، مکھیاں آتی رہتی ہیں۔

ایک لطیفہ یاد آتا ہے مکھی پر، مچھر پر۔ شاعر بھی عجیب چیز ہے۔ مچھر کی شان میں ایک شعر کہتا ہے۔

پشّوں سے سیکھے

(پشہ مچھر کو کہتے ہیں)

پشّوں سے سیکھے کوئی شیوۂ مردانگی!

جب قصدِ خون کرے پہلے سے للکار دے

یعنی جب اس کا خون پینے کا ارادہ ہو، تو وہ پہلے سے پوں پوں کر کے انسان کو ہشیار کرتا ہے کہ میں حملہ کرنے آرہا ہوں۔

دو دوست بیٹھے ہوئے تھے، جن میں ایک ڈاکٹر تھا۔ اس نے دوسرے سے پوچھا کہ مکھی اور مچھر میں کیا فرق ہے؟ دوسرے نے کہا۔ کوئی خاص فرق نہیں، بس تھوڑا سا ہی فرق ہے۔ دونوں ڈاکٹر ہیں۔ پوچھا۔ یہ دونوں ڈاکٹر کیسے ہیں۔ کہا۔ ہاں، مکھی معائنہ کرتی ہے، اور مچھر ٹیکہ لگاتا ہے۔

عزیزانِ من! باقی بھی سب بادشاہ ہیں۔ لیکن جب بادشاہوں کا بادشاہ آپ پہ نگاہ کرتا ہے، تو سب بادشاہ آپ کو پیار کرتے

ہیں۔اسی لئے ہمارا بچّہ کسی بھی سلسلے کے مزار پہ چلا جائے، اُسے عطا ہو گی۔کیونکہ کوئی بچہ ہمارا ایسا نہیں ہے جس کو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے قدموں میں نہ ڈالا ہو۔ اور میں زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جتنی عقیدت ہے اتنی ہی عطا ہوتی ہے۔

اس کا کیا بدل دے سکتا ہے کوئی مجھے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا ہے کہ اپنی کھال کی جوتیاں بھی پہنائے، اسلیئے جب آپ کو ذراسی پریشانی ہوتی ہے تو مجھے بھی ہوتی ہے جب مجھے پریشانی ہوتی ہے تو وہاں گھنٹیاں بج جاتی ہیں۔ دعا ہی کرتا ہوں جھگڑا فریاد پوری کر دیتا ہوں اپنے بچوّں کے لیئے بعض پہ غصّہ بھی آتا ہے اُن کی حرکتیں دیکھ کر۔ میں کہتا ہوں کہ ان کو کیا کہوں۔ جب اللہ اُن پہ کرم کر دیتا ہے تو میرے پیٹ میں کیوں تکلیف ہو۔ اتنی بُرائیاں لگی ہوئی ہیں، پھر بھی وہ کرم کر دیتا ہے۔ اس لئے میں نے کسی کو آج تک عطا نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں کہ جب اللہ نے میرے گناہ دیکھ کے عطا نہیں کیا ہے، بلکہ اپنے کرم سے اپنا کرم دیا۔ میں بھی اس کے کرم سے کرم بانٹ دوں گا۔کوئی بتا دے کہ اُس سے میں نے کبھی پوچھا کہ وہ باوضو ہے یا نہیں؛ اصول یہ ہے کہ باوضو ہو، غُسل کیا ہوا ہو۔ اچھے کپڑے پہنے ہوں۔ بیعت کے وقت تو یہ حکم ہے کہ جُرمانہ ادا کرے۔ لیکن آج تک کیا میں نے کسی کو اس بارے میں کچھ کہا؟ اب تو میں بیعت نہیں کرتا۔بعض تو

بڑی ناپاک حالت میں میرے پاس آئے ہیں۔ میں نے کہا۔ چلو، اگر بہتے پانی میں کوئی پیشاب کر دیتا ہے، تو کیا وہ اس سے وضو نہیں کرتا۔ یہ فقیر جو ہے، سمندر توحید کے کنارے ایک نقطہ ہی تو ہے۔ نقطہ تو صاف ہو سکتا ہے، لیکن اس نکتے کو وہ پا نہیں سکتا۔

میرے پاس بڑے بڑے فیشن ایبل لوگ آئے، مختلف ممالک سے، مختلف زمانوں میں، انگریزی سیکھنے کے لئے۔ دوسرے یورپی ممالک کے لوگ اپنی لڑکیوں اور لڑکوں کو برطانیہ بھیجتے ہیں، صرف جو وہاں جا کے بیرے کا کام کرتے ہیں صرف انگریزی سیکھنے کے لئے۔ میں نے دیکھا ہے کہ مسلمان اتنا گر گیا ہے کہ کوئی اگر ذرا بھی ہمارے مملک کی رسوم کے خلاف کہہ دے، تو فوراً ہی جواب یہ دیں گے کہ : Yes, we are very backward - we have this - Islam is rigid.

(جی ہاں، ہم بہت پسماندہ ہیں۔ ہم میں یہ یہ چیزیں ہیں۔ اسلام غیر لچکدار ہے۔)

ایسی فضول باتیں کرتے ہیں۔ جب کوئی ایسی فضول بات کرتا ہے، تو میں اس کو اس طرح ادھیڑ دیتا ہوں، جیسے درزی قینچی لے کے بخیئے اُدھیڑتا ہے۔ میں کہتا ہوں، اب نکل نہیں سکتے، میں ان کی ساری حقیقتیں بتا دیتا ہوں۔

This is what you are, come on what you say - how dare comment on it.

(یہ ہے تمھاری حقیقت، جو کچھ تم کہتے ہو۔ تمھیں اس پہ تبصرہ کرنے کی جُرأت کیسے ہوئی۔)

Under developed یہ ہیں نے کہا کہ ہم نہ ہوں تو تم بھُو کے مرجاؤ۔ یہ یعنی غیر ترقی یافتہ ملک ہیں۔ یا Developing یعنی ترقی پذیر ملک ہیں۔ تم تو موجیں کرتے ہو۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں ٹھہرتے ہو۔ بریف کیس اٹھایا اور میٹنگیں اور سیمینار کئے۔ جب پوچھتے ہیں کہ یہ کیا بات ہے جی؟ تو کہتے ہیں کہ یہ ٹریڈ کانفرنس ہو رہی ہے۔ یہ صرف Bargaining یعنی سودے بازی ہے۔

اِدھر والے بیچارے غریب ہیں تو جا نہیں سکتے۔ اُدھر کی جب تصویریں دکھاتے ہیں، تو دیکھ کے لرز جاتے ہیں۔ مرد عورتیں اس طرح، سیاہ فام۔ ان سے پوچھو کہ ایک تو تمھیں کھانے کو نہیں ملتا، اُوپر سے بیماریاں اتنی، لیکن یہی آواز آتی ہے کہ Rebels are not surrendering (باغی ہتھیار نہیں ڈال رہے ہیں) Rebels (باغی) Compromise (مصالحت) کے لئے تیار نہیں۔

یاد رکھو، امریکیوں اور انگریزوں کی ایک Typical یعنی

مخصوص چال ہے۔ وہ یہ کہ جو ملک یا قوم قابو نہ آئے، اس میں یہ قحط ڈال دیتے ہیں۔ میں یہ اپنے ذاتی تجربے سے بتاتا ہوں۔ چونکہ میں نے انڈیا میں جو Famine Enquiry Commission (قحط کے بارے میں تحقیقاتی کمیشن) قائم کیا گیا تھا، اس میں کچھ وقت کام کیا۔ بنگالی کسی طرح بھی انگریز کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ بہت زور لگا لیا، لیکن وہ باغی اور بے قابو ہو گیا تھا۔ (ہمارے بھی قابو میں نہیں آیا۔) انہوں نے سوچ سوچ کے ماتھا جوڑا اور کہا کہ ان میں غذا کی قلت پیدا کر دو۔ یعنی شدید بھوک۔ پھر جو انہوں نے فلم تیار کی، اس فلم کو آپ دیکھ سکتے ہیں۔ وہ پڑے ہوئے ہیں۔ اتنی بھی قوت نہیں کہ ہل سکیں۔ کتا آتا ہے، وہ زندہ ہے اور کتا اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہا ہے۔ بنگال میں فیمین انکوائری کمیشن بیٹھا، باقاعدہ پورے بنگال میں، ٹرین چلی۔ یہ دھوکے بازی کا چکر تھا۔

یہی سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں ہوا۔ یہ یہودی، عیسائی، کافر، بت پرست۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اب تلوار نہیں چل سکتی، تو وہ تدبیر کرتے رہے، حتیٰ کہ انہوں نے ایک فرقہ کھڑا کر دیا اور اس فرقے نے اپنے آپ کو شیعہ کہنا شروع کیا۔ میرے پاس جب باتیں ہوتی ہیں تو میں سیدھی بات کرتا ہوں۔ میں نے ان سے کہا کہ میں Complex arguments (اُلجھا

دینے والے دلائل) کا قائل نہیں ہوں۔

مجھے یہ بتاؤ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے تین بیٹوں کے نام ابوبکر، عثمان، اور عمرؓ رکھے، یہ کیا قصّہ ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ سے کیا۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ زبردستی ہوا تھا۔ واہ واہ، سبحان اللہ! میں نے کہا" پھر اسد اللہ یعنی اللہ کا شیر کیوں کہتے ہو؟ اللہ کے شیر تو وہ امام حسین رضی اللہ عنہ ہوئے"۔ یہ سب خباثت ہے۔ میں نے کہا" مجھے کوئی کتاب دکھادو جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ یا دوسرے جتنے بھی امام ہیں، انہوں نے کہیں کوئی گالی نکالی ہو، یا ناشائستہ کوئی بات کی ہو۔ ہاں، یہ انہوں نے شکوہ ضرور کیا کہ اہلِ بیت کو چھوڑ کے وہ جو منافقین تھے، جو اپنے آپ کو مُسلمان کہتے تھے، انہوں نے مل کے دھوکہ دیا۔ انہوں نے اِن کو تکلیفیں پہنچائیں۔ وہ تو اس کا مزا پا گئے۔

تو عزیزانِ من! حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا میں اتنا صبر تھا۔ ایک دفعہ جب رنجش ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ" اے علی، اللہ تعالیٰ نے تم کو بہترین بیوی دی"۔ اور پھر فرمایا۔ اے فاطمہ! اللہ تعالیٰ نے تمھیں بہترین خاوند دیا۔" وہ حکمت سے بھرے ہوئے، نور سے بھرے ہوئے الفاظ تھے۔

وہی جو میں کہتا ہوں۔ سیاست، تدبیر، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے انہوں نے آپس میں کہا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جو رشتۂ ازواج ہے یہ ایک ثمر والا درخت ہے، جو آگے جا کے پھلنے پھولنے والا درخت ہے۔ یعنی ان میں سے جو بھی ہوگا وہ بھی اہلِ بیت ہوگا۔ ہم اس درخت ہی کو کیوں نہ کاٹ دیں۔ لیکن کیسے؟

کہا، ابو جہل سے ایک پیغام بھجوا دیتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو کہ ہماری (یعنی ابو جہل کی) بیٹی سے نکاح کر لو۔ ابو جہل امیر آدمی ہے، شاید مان جائے۔ پھر ان میں سے کچھ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ آپ کی اجازت ہو تو یہ نکاح ہو جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت مسجد میں تشریف لے گئے۔ آپ کی آمد پر اذان دی گئی تو لوگ جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ایسے ایسے سُنا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی آدمی کی بیوی، میری یعنی پیغمبر کی بیٹی بھی ہو اور دوسری کافر کی بیٹی ہو۔ یہ نہیں ہونے کی۔ ہاں، علی کو اختیار ہے کہ وہ میری بیٹی کو طلاق دے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ جب گھر پہنچے تو ان کو خبر ہی نہیں تھی۔ عرب میں عورتیں جو ہیں، اُن کا Concept (تصوّر)

اور ہے۔ چار شادیوں کی بھی اجازت ہے۔ میرے ایک دوست سعودی عرب میں ہیں۔ اُن کی بیوی ایک فیملی میں چلی گئی۔ فنجان کا دور چلا۔ اس نے سوال شروع کئے۔ پوچھا "آپ میں سے سب سے بڑی بیگم کون ہے؟" عرب عورت نے کہا "میں اکیلی محسوس کرتی تھی"۔ پوچھا "پھر کیا ہوا؟" کہا "میں اس کو دوسری بیوی کو بیاہ کر کے لے آئی"۔ پوچھا پھر؟ "پھر دو ہو گئے ہم، یہ تیسری ہمیں بڑی پسند آئی"۔ کہا پھر؟ کہا "ہم نے اپنے خاوند کو ترغیب دی۔ اس کو نکاح کر کے لے آئے، اسی طرح چوتھی بیوی آئی"۔ آگے پانچویں کی اجازت نہیں تھی۔ کہنے لگیں کہ وہ سب بیویاں خوش، ٹھیک ٹھاک، ساتھ رہتی تھیں۔ اور یہاں پر، خاص طور پر ایسے معاملات میں بات طلاق تک پہنچتی ہے۔ کوئی تعویذ جادو وغیرہ نہیں چھوڑتا۔ وہ زندہ جو ہے، وہ مُردہ نظر آتا ہے۔ فخر کرتا ہے کہ سوکن ہے دراصل سوکن کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ یہ جو سوکن سوکن کہتے ہیں، کیوں کہتے ہیں۔ کیوں کہتے ہیں؛ اس لئے کہ سوکن ساری زندگی ہانڈی پکاتی ہے۔

تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی وقت توبہ کی اور کہا کہ "جب تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حیات ہیں میں دوسری شادی کا خیال تک نہیں کروں گا"۔ اس کے بعد موافقت اور محبت اور بڑھ گئی۔

ایک دن حضرت سیدہ فاطمۃ الزھرا رضی اللہ عنہا نے ستو کی روٹی بنائی۔ جب بچوں کو کھلانے لگی تو دل میں کہا میں اپنے مالک کو بھی کھلا دوں۔ اس لئے اُن کے سامنے سے کچھ روٹی لے کے رکھ لی۔ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ کیا ہے؟ کہا، ”ابا جان! میں نے یہ جَو کی روٹی بنائی تھی۔ بچوں کو کھلائی تو مجھے خیال آیا کہ آپ کو بھی پیش کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، ”ہم تین دن سے فاقے میں ہیں“۔ اس پر حضرت سیّدہ نے کہا، ”ہم چار دن سے فاقہ سے ہیں“۔ ایسے نہیں ہوئے اہلِ بیت۔

عزیزانِ من!

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی!
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

قبر میں آپ کے ساتھ آپ کے اعمال ہی جائیں گے۔ ادھر حضرت فاطمۃ الزھرا رضی اللہ عنہا سے اتنی محبت، ادھر ایک قبیلہ میں ایک عورت تھی، جس کا نام فاطمہ تھا، اس سے چوری سرزد ہو گئی۔ معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے پیش ہوا۔ وہ بڑے مضبوط لوگ تھے۔ اُن کے سردار آئے اور کہا، ”حضور معاف کر دیں“۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ”اگر میری فاطمہ (رضی اللہ عنہا)

بھی چوری کے الزام میں میرے سامنے آئے گی، تو خدا کی قسم میں اس کے بھی ہاتھ کٹوا دوں گا۔" پھر فرمایا کہ "بنی اسرائیل پہ عذاب اس لئے آیا کہ ان کے بڑے لوگ رشوتیں دے کے چھوٹ جاتے تھے، غریبوں کو سزا ملتی تھی۔"

حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی جتنی بھی ازواج تھیں، سب بہت محبت کرتی تھیں، اور آپ سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت کرتی تھیں۔ لیکن یہاں پر تبرّے بکے جاتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر۔ وہابی جو ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا (نعوذ باللہ من ذالک) فاحشہ عورت تھیں، بدکردار تھیں۔

میں جہاں مقیم تھا وہاں پندرہ ہزار کے قریب وہابی تھے۔ میرے گھر کے ساتھ، میرے گھر کے سامنے۔ اُن کا ایک وہابی آیا ہوا تھا جو مسجد میں روز تقریر کرتا تھا۔ میں نے ایک دن کہلا بھیجا کہ "میں آج مغرب کی نماز کے بعد درسِ حدیث نہیں دُوں گا، بلکہ صرف وہابیت کے بارے میں خطاب کروں گا۔ مجلس لگ گئی۔ میں ڈھائی گھنٹے مسلسل بولا، بات پھیل گئی۔ دوسرے دن اُن کے مولویوں نے کہا کہ جو حوالے دیئے گئے ہیں وہ غلط ہیں۔ جس آدمی نے یہ کہا، میں نے کتابیں نکالیں اور اُس سے کہا "یہ تمھاری کتابیں ہیں، دیکھو ایک ایک کر کے۔"

جب انہوں نے یہ مسئلہ چھیڑا تو مجھے بڑا دکھ ہوا۔ میں نے کہا۔ ”ان خبیثوں کو میری طرف سے ان کے بڑے سے بڑے عالم سے جا کے کہو کہ اگر قرآن شریف کے اندر یہ مجھے دکھا دیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بدکار کہا ہو، یا فاحشہ کہا ہو، تو میں اپنا مذہب چھوڑ دوں گا۔“ میں نے کہا: کم بختو! قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہو اور اس کی آیات کے ترجمے بھی تبدیل کرتے ہو، بدذات خبیثو!“

تمہیں ادراک ہے سمجھنے کا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو خاتون نبی کی بیوی ہونے والی ہو، وہ (نعوذ باللہ من ذالک) پہلے بدکار ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے میں زلیخا دوڑی حضرت یوسفؑ کو پکڑنے کے لئے تو آپ بھی دوڑے۔ اسی دوران آپ علیہ السلام کو بذریعہ کشف اپنے والد یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کا چہرہ نظر آیا جو فرما رہے تھے۔” اے بیٹا! تُو نبی ہے، نبی کی اولاد ہے، اور میں نبی اور نبی کی اولاد ہوں۔ یعنی تُو نبی ابنِ نبی، ابنِ نبی ہے۔ یہ کیا حال ہے؟“

آپ علیہ السلام نے جب اپنے والد صاحب کا چہرہ دیکھا تو آنکھوں میں آنسو آگئے۔ باہر نکلے تو باہر عزیزِ مصر آگئے تھے۔ زلیخا فوراً کہنے لگی۔” اے عزیزِ مصر! اُس غلام کو کیا سزا دینی چاہیئے جو اپنے مالک کی عزّت پہ حملہ کرے؟“ عزیزِ مصر کو غُصّہ آگیا۔ اُس نے کہا ”بات سیدھی

ہے۔ اگر قمیض آگے سے پھٹی ہے تو پھر حضرت یوسُف علیہ السلام خطا کار ہیں، اگر پیچھے سے پھٹی ہے تو زلیخا گناہگار ہے"۔ جب دیکھا تو قمیض پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ پھر عزیزِ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا "غم نہ کر اللہ پاک ہے"۔

لیکن اس کے بعد اسے خیال آیا کہ بات پھیل جائے گی، اس لئے اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانے بھجوا دیا۔

ایک شخص کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں سے مخاطب ہوتے ہیں، لیکن اس کی طرف نہیں دیکھتے۔ اس نے سلام کیا اور بلند آواز میں عرض کی "یا رسول اللہ! میں بھی آپ کا اُمّتی ہوں، آپ میری طرف دیکھتے ہیں نہ مجھے پہچانتے ہیں۔ میں نے سُنا ہے کہ آپ اپنے اُمّتیوں کو اولاد سے زیادہ پیار کرتے ہیں"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو تم نے سُنا ہے، ٹھیک سُنا ہے۔ لیکن میں اپنے اُمّتی کو اسی قدر چاہتا ہوں جس قدر وہ مجھ پہ درُود بھیجتا ہے"۔

اس لئے میرا نسخہ آپ سب کے لئے یہ ہے کہ جب تمہارے مُنہ بند ہیں، کوئی کام بھی نہیں کر رہے ہو، کسی سے باتیں بھی نہیں کر رہے ہو، تو آپ اپنی اس خاموشی کو کیوں ضائع کرتے ہو، درود ہی پڑھتے رہا

کرو۔ جب اللہ نے اس کو اپنا وظیفہ کر لیا کہ "اللہ اور اس کے فرشتے نبی پہ درود بھیجتے ہیں۔" اور ایمان والوں کے لئے بھی حکم دیتے ہیں "اے ایمان والو، تم بھی اُن پہ درود و سلام بھیجو جس طرح کہ اس کا حق ہے۔" ایک ہی نبی ہیں جن پہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ اس لئے یہ ایک ایسا وظیفہ ہے جو مقبول ہی مقبول ہے۔ دوسرے وظیفوں کا نامقبول ہونے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔

ایک دن ایک آدمی نماز پڑھ کے دُعا کر رہا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "اے شخص تُو نے دُعا ملنگنے میں جلدی کی"۔ اتنے میں جب دوسرے شخص نے دعا مانگی تو اس نے پہلے اللہ تعالیٰ کی ثناء کی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پہ درود شریف بھیجا اور پھر اپنی عرض پیش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم وہیں بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا "مانگ، مانگ جو مانگتا ہے، تجھے دیا جائے گا۔"

تو جس دُعا میں اوّل و آخر درود شریف ہو، یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ درود شریف تو قبول کرے اور دُعا قبول نہ کرے۔ جب مضمون ٹھیک ہے، اسٹمپ لگا ہوا ہے لفافے پر تو عرض گزارش منظور ہو جاتی ہے۔

میرے پیارے عزیزو! اپنی زندگی کا نصب العین بنا لو کہ یہ جو خالی وقت ہے اس کو ضائع نہ کرو بلکہ ذکرِ الٰہی اور درود و سلام سے اپنی

زبان کو تر رکھتے رہو۔

کچھ عرصہ بعد اس شخص کو خواب میں پھر زیارت ہوئی، اُس نے درود شریف پڑھا تھا، یعنی وہ جُٹ گیا تھا درُود شریف پڑھنے میں۔ جب خواب میں دوسری بار ان کی زیارت ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو اُس نے سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بڑی پیاری مُسکراہٹ سے فرمایا کہ ”اب میں تجھے پہچانتا ہوں“۔

یہ وہابی کہتے ہیں کہ علمِ غیب نہیں۔ میں آپ کو بتا دوں۔ فرمایا ”اب میں تجھے پہچانتا ہوں، اب تم اس پر قائم ہونا“۔ تو سوال یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس علمِ غیب نہ ہوتا تو علم ان کو کہاں سے آیا؟

وہابی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پہ بھی بہتان باندھتے ہیں۔ میں نے اُن لوگوں سے کہا کہ قرآن میں تو لکھا ہے کہ ایسے کہنے والے خطا کاروں میں ہیں۔ میں نے کہا کہ ”اللہ تعالیٰ کے نبی جو ہوتے ہیں وہ پاک ہوتے ہیں۔ اور کوئی ناپاک چیز نبی کے پاس نہیں آتی۔ اور ہمارے حضور آقا صلی اللہ علیہ وسلّم کی یہ شان تھی کہ آپ کا سایہ کسی نے نہیں دیکھا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ جلّ شانہ یہ گوارا نہیں کرتے تھے کہ اس پہ کسی کا پاؤں پڑ جائے۔ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی میں آپ کے جسم مُبارک پہ مکھّی بیٹھتے ہوئے

نہیں دیکھا۔ کیا مکھی بخشتی ہے کسی کو؟

حضرت سیدہ فاطمۃ الزھرا رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو اُن سے بہت پیار تھا۔ بعض دفعہ دونوں کو گود میں لیتے اور چُومتے ہی رہتے تھے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم منبر پہ خطاب کر رہے تھے کہ یہ دونوں حسنین آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم منبر سے اُٹھ کے آئے۔ آ کے دونوں کو گود میں لیا، پھر فرمایا" واقعی اللہ تعالیٰ نے صحیح فرمایا ہے کہ تمہاری اولاد اور مال تمہیں میری یاد سے غافل کر دے گا۔ میں تمھیں خطاب کر رہا تھا۔ اِن کی محبت نے جوش مارا اور میں وہ چھوڑ کے ان کے پاس آ گیا۔

کبھی کبھی نماز کے دوران جب یہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی پُشت پر سوار ہو جاتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سجدے سے سرِ مُبارک نہیں اُٹھاتے تھے۔ کیوں نہیں اُٹھاتے، نکتہ کیا ہے؟ سوال یہ ہے کہ آخر سرِ مُبارک نہ اُٹھانے کی کیا وجہ تھی؛ حضور نے فرمایا" جو ہو چکا ہے، اور جو ہونا ہے قیامت تک، اس کا مجھے علم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو پتہ تھا میرا یہ شہزادہ جو میری پُشت پہ ہے، اس کے ساتھ میری اُمّت کیا کرے گی۔

جب واقعہ کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو کسی درویش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ" دیکھو میری اُمّت نے میری آل کے ساتھ کیا کیا"۔

ڈوب مرنے کا مقام ہے، ہمیں ڈوب مرنا چاہیئے ہم خواہ دن رات درُود شریف پڑھتے رہیں، تو پھر بھی اس کا اِزالہ نہیں کر سکتے، کفارہ ادا نہیں کر سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی اُمّت کو بددُعا نہیں دی۔ بس یہ فرمایا کہ" دیکھا میری اُمّت نے میری آل کے ساتھ کیا کیا"۔ تو اس وقت یہ چیزیں پیدا ہو چکی تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رمضان شریف میں شہید کیا گیا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے درمیان اختلاف پیدا کر دیا، حالاں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دو روز پہلے ہی خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا کہ" عثمان! پرسوں تم ہمارے ساتھ افطاری کرلو۔ ہم انتظار کریں گے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

حضرت سیّدہ فاطمہ زہرا نے اپنے بچّوں کی بہترین تربیت کی، بہترین تعلیم کی۔ اور اُن کے مُنہ میں کوئی غلط لُقمہ نہیں ڈالا۔ نُور سے نُور ہی ملا۔ اگر نُور نہ ہوتا تو وہ اہلِ بیت نہ ہوتے۔ جنھوں نے میدانِ کربلا میں صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا۔ کربلا میں حضرت امام حسین

رضی اللہ عنہ یہی کہتے تھے۔ خیموں میں جا کے کہ ابھی تمھیں بہت رونا ہے۔ ابھی تمھیں بہت رونا ہے۔

میں ایک دیوبندی کی کتاب پڑھ رہا تھا (نعوذ باللہ من ذالک) اس نے یزید کو رحمۃ اللہ علیہ لکھا، اور ثابت کرنے کی کوشش کی کہ وہ بڑا نیک پارسا تھا۔ یہ حال ہے وہابی اور دیوبندیوں کا۔ یہ ظاہری طور پر درود و سلام بھی پڑھیں گے۔ لیکن ان کے کرتوت آپ جاننے لگیں تو پھر آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔ یہ تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی والے، یہ دین کا جھنڈا گاڑنے آئے ہیں۔ یا آج گوھر شاہی ہے، یہ بھی کہتا ہے کہ میں تمام دُنیا کے فرقے اکٹھے کرنے آیا ہوں۔ یا ایسے دوسرے نام نہاد مبلغین ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ وہ اسلام کا صحیح راستہ دکھانے آئے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت تھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کبھی ایسا نہیں کیا کہ مالِ غنیم آیا اور وہ لے لیا، اپنی ذات یا اہلِ بیت کے لئے لیا۔ تین تین دن تک گھر کا چولہا نہیں جلا۔ ایک دفعہ تو ایک ماہ تک چولہا نہیں جلا۔ وہ خواب نہ تھے بلکہ حقیقت تھے۔

اس دُنیا کی ایک معمولی غلیظ چیز بھی غلاظت ہوتی ہے۔ اس کا ثبوت میں دیتا ہوں۔ ایک غلیظ چھینٹ آپ کے تہہ بند یا شلوار پر

پڑ جائے توآپ کو فوراً فکر ہو جائے گی کہ اسے بدل لیں۔ ہوتی ہے کہ نہیں ؟ تو اللہ جلّ شانہٗ کو کب گوارا تھا کہ نور کے یہ جو پُتلے تھے ان پہ دھبّے پڑ جائیں۔ نہ مکھّی بیٹھتی تھی نہ سایہ تھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا سُلوک کیا گیا۔ کتنی بار زہر دیا گیا۔ یزید لعین نے اُن کی بیوی سے کہا کہ تم انہیں زہر دے دو، تو میں تمہارے ساتھ شادی کر لوں گا اور انعام بھی دُوں گا۔ یہ خوفناک جُرم کرنے کے بعد جب اُس نے شادی کا پیغام بھیجا تو یزید خبیث نے جواب بھیجا کہ جب تو امام حسن رضی اللہ علیہم سے وفا نہ کر سکی، میرے ساتھ کیا وفا کرے گی ؟

عزیزانِ من ! حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ازواج مطہرات بھی حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت کرتی تھیں۔ آپ کا حُسن جنّت کی حُوروں جیسا تھا، یہ حُسن زمینی نہیں تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کا وقت جب قریب آیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت سیّدہ کے کان میں کچھ بات کہی تو آپ رونے لگ گئیں۔ کچھ اور بھی امّہات المومنین بیٹھی ہوئی تھیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کے کان میں کچھ فرمایا، تو آپ ہنسنے لگیں۔۔۔ امّہات المومنین نے بہت زور لگایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے کیا فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے کہا یہ نہیں بتاؤں گی، یہ راز ہے۔ جب حضور صلی اللہ

صلی اللہ علیہ وسلّم کا وصال ہوا تو انہوں نے کہا کہ اب تو بتاؤ۔ فرمانے لگیں کہ "حضور ابا جان نے یہ فرمایا تھا کہ اب میری رحلت کا وقت آگیا ہے تو میں رونے لگی تھی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے میرے کان میں فرمایا کہ سب سے پہلے جو مجھ سے آکے ملے گا، وہ تم ہو۔ تو میں ہنسنے لگی تھی"۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا وصال ہوا، تو اس کے چند ماہ تک آپ زندہ رہیں۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ حضرت سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے غم میں اتنا روئیں کہ گھُل گئیں۔ اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہنے لگے۔ "قسم ہے پروردگار کی، میں فاطمہ کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گا"۔ آپس میں اتنا پیار تھا، آپ اتنا خیال رکھتے تھے۔

جب حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا وصال قریب آیا، تو منزل وہی تھی جو سب کی ہوتی ہے۔ آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ آخری وقت آگیا ہے۔ آپ خوش ہو گئیں۔ ایک دن آپ نے غسل کیا اور فرمایا کہ "مجھے دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں ہے"۔ آپ نے نئے کپڑے پہن لئے اور اس طرح آپ کا وصال ہو گیا۔

مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، نڈھال ہو گئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "فاطمہ جیسی

کوئی عورت نہیں کیوں کہ وہ جنت کا ایک پھول تھیں، جس سے مجھے جنت کی خوشبو آتی تھی، اور وہ ایسی خوشبو تھی کہ اس کے وصال کے بعد سے میرے دماغ میں بسی ہے"۔

اب میں اپنے بیٹے حامد سے کہوں گا کہ وہ سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی شان میں کچھ اشعار پڑھے۔ میں خود نہیں پڑھ سکتا مجھے یاد نہیں رہے اور میں اٹک جاتا ہوں۔ اس لیے میں نے لکھ کے دے دیئے ہیں۔

افلاس سے ہے سیّدہ آپ کا یہ حال
گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گِھس گِھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں
چکّی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
اٹ جاتا تھا لباسِ مبارک غبار سے
جھاڑو کا مسئلہ بھی ہر صبح شام تھا
آخر گئیں جنابِ رسولِ خدا کے پاس
یہ بھی اتفاق وہاں اژدھام تھا!
محرم نہ تھے جو لوگ، تو کچھ کر سکیں نہ عرض
واپس گئیں کہ پاسِ حیا کا مقام تھا

پھر جب گئیں دوبارہ ، تو پوچھا حضورؐ نے

کل کس لئے تم آئیں تھیں ، کیا خاص کام تھا؟

غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ مُنہ سے کہہ سکیں

حیدرؓ نے اُن کے مُنہ سے کہا جو پیام تھا

بیواؤں کے بندوبست سے فارغ نہیں حضورؐ

ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا

کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم تھا ان کا حق

جس کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا

خاموش ہو کے سیّدہ ، آپ ہو گئیں

جرأت نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا

یوں کی بسر اب اہلِ بیت مطہرؔ نے زندگی

یہ ماجرا ہے دُخترِ خیر الانام کا!!

عزیزانِ من ! میں یہ مجملاً بیان کر رہا ہوں۔ پہلے میں نے آپ لوگوں سے سوال کیا تھا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماتم

کے پاس آکے عرض کی کہ "بھتیجے! میں نے بدلہ لے لیا"۔ میرے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "چچا! مجھے ان باتوں سے خوشی نہیں"۔ پوچھا۔ "پھر کن باتوں سے خوشی ہو گی"؟ فرمایا۔ "مجھے اس بات سے خوشی ہوگی کہ آپ اسلام قبول کر لیں"۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا، "میں اسلام قبول کرتا ہوں"۔

جس بے دردی سے ان کا کلیجہ چبایا گیا، کیا اُن کا کوئی حق نہیں بنتا تھا۔ بڑی بے دردی کی گئی۔ مگر کیا اس بے دردی کا کوئی حق نہیں بنتا تھا کہ بدلہ لیا جائے؟ کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ نعوذ باللہ من ذالک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لائق نہیں تھے؟ نہیں۔

میرے پاس ایک نوجوان لڑکا آتا تھا، اور دو تین دوسرے بھی افسر ہوتے تھے۔ اُن میں ایک فیڈرل سیکریٹری تھا، جو شیعہ تھا۔ اس نوجوان پہ مولائے کائنات کا بڑا کرم تھا۔ جب وہ آستانہ میں قدم رکھتا، تو مجھے دیکھتے ہی جذب میں آجاتا تھا اور نعرہ مارتا تھا۔ "یا اللہ، یا اللہ، یا علی!"

وہ شیعہ افسر اس نعرہ کی وجہ سے غلط فہمی کا شکار تھا۔ ایک دفعہ جب وہ اس نوجوان کو دیکھ رہا تھا تو میں نے دل میں کہا کہ اب وقت آگیا ہے اس کی غلط فہمی دُور کرنے کا۔ چنانچہ میں نے کھُل کے کہا، "تم شیعانِ علی ہو اور یہ غلامِ علی ہے۔ تم ان کی طرف کیا دیکھتے ہو ہوش

میں رہو"۔

اس شیعہ افسر نے بیعت کے لئے میرا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اسلام آباد بھی پہنچ گیا۔ ایک دن وہاں سماع تھا۔ سماع میں اُس کو وجد آ گیا۔ آکر میرے پاؤں پر سر رکھ دیا۔ کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے تک پڑا رہا۔ یہ سولہ سترہ سال پہلے کی بات ہے۔ مجھے وہ کہنے لگے "جی میں بیعت کے لئے کسی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔ آپ منظور کر لیں یا نہ کریں۔ میں نے جب آپ کے قدموں میں سر رکھا تھا، تو مجھے چاروں صحابہ کی زیارت ہوئی تھی"۔ سب کے سامنے کہا تھا کہ "میں کیسے چھوڑ دوں آپ کو۔ میں تو بیعت ضرور کروں گا"۔ یہ زبردستی تھی۔ میں نے کہا "تم میرے پیار کے لائق نہیں ہو۔ فقیری، بیعت اور چیز ہوتی ہے۔ بس زیارت ہو گئی، مشاہدہ ہو گیا، یہی کافی ہے"۔

میرا ایک جاننے والا شیعہ تھا، ایک دن شام کو کسی کام سے آئے تھے۔ کچہری تو میری لگی ہوئی تھی، وہ بھی آ کے بیٹھ گئے۔ خیر جب ختم ہوئی محفل اور لوگ اُٹھ کر چلے گئے، تو کہنے لگے کہ "میں آپ سے اکیلے میں ملنا چاہتا ہوں"۔ میں نے کہا "میں اس وقت خالی ہوں، آپ بات کریں"۔ کہنے لگے "بات یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں، اس لئے کہ ہمارے ماں باپ مسلمان تھے۔ آپ کے والد سُنّی، تو آپ سُنّی، اور ہمارے باپ شیعہ تو ہم بھی شیعہ ہیں، مجھے کچھ عنایت

کریں۔ مجھے راہ دکھائیں“۔

میں نے کہا ”بات یہ ہے کہ میرے سیدھے سوال ہیں۔ ان کے جواب دے دیں“۔ انہوں نے تمہیں کیا دیا۔ شیعہ ہو یا سُنّی ہو، اللہ نے کچھ عقل دی ہے“۔ انہوں نے کہا ”لیکن میرے ساتھ مصیبت یہ ہے کہ میں سُنّی ہو جاؤں مگر ڈکلیئر (ظاہر) نہیں کر سکتا، کیوں کہ میری اولاد ہے۔ میرے ڈکلیئر کرتے ہی وہ میری اولاد کے پیچھے پڑ جائیں گے“۔ میں نے کہا کہ قرآن میں تو اولیاء اللہ کے بارے میں ہے کہ ”نہ انہیں خوف ہے، نہ غم ہے“۔ اس لئے اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے اور حق کو پہچان چکے ہو تو تمہیں ڈرنا نہیں چاہیئے۔

اسلام آباد میں ایک فوٹو گرافر تھا۔ اُس نے کسی موقع پر میرا فوٹو اُتارا تھا، اور وہ فوٹو اپنی دکان میں جا کر لگا دیا تھا۔ ایک دن میں وہاں سے گزرا تو فوٹو دیکھ کے میں رُک گیا۔ فوٹو گرافر بھی موجود تھا۔ میں نے پوچھا کہ کیا حال ہے تو یہ سُن کر مجھے بے حد تعجب ہوا جب اُس نے کہا کہ ”میں اب قادیانی ہو گیا ہوں“۔ یہ قلابازی ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔

اب دیکھو میں ایک نکتہ بتا دوں۔ غور سے سنو۔ قادیانیوں میں دو فریق ہیں، ایک لاہوری گروپ ہے، وہ آپ کے ساتھ نماز بھی پڑھتے ہیں، سجدے بھی کرتے ہیں اور بُدھو مسلمان جو ہیں اُن کے

ساتھ رشتے کرتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ تو ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ہمارے بدھو مسلمانوں میں افسر بھی ہیں۔ تو میں نے ان سے کہا کہ تمہاری عقل ماری گئی ہے۔ You are an officer -

I expect a better behaviour from you.

(آپ ایک افسر ہیں، مجھے آپ سے بہتر رویہ کی توقع ہے) وہ کیسے ہمارے برابر ہو سکتے ہیں۔ وہ کہنے لگا "ہم مرزا کو نبی نہیں مانتے بلکہ ان کو لیڈر یا امام مانتے ہیں، اور پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں۔ ہم لوگ پیروں اور ولیوں کو بھی مانتے ہیں"۔

میں نے کہا "مائی ڈیئر! یہ بتاؤ کہ جو مرزا نے خود کہا ہے وہ ماننا پڑے گا کہ نہیں، مرزا تو خود کہتا ہے کہ میں نبی ہوں۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ (نعوذ باللہ من ذالک) خُدا لنگڑاتا ہوا میری طرف آیا۔ خدا شرماتا ہوا میری طرف آیا" پھر یہ کیا ہے؟ اور جب اس کے خلاف عدالت میں درخواست دی کہ یہ بدمعاش بُری زبان استعمال کرتا ہے، گالیاں دیتا ہے، تو اس نے عدالت سے معافی مانگی اور نیک چلنی کا مچلکہ داخل کیا اور لکھ کر معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ میں آیندہ گالیاں نہیں دُوں گا۔ اور اپنا چال چلن صحیح رکھوں گا"۔

پھر اس نے یہ بھی کہا "مجھے سب نے مانا، صرف کنجریوں کی اولاد نہیں مانتی"۔ میں نے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ وہ خود تو اپنے

آپ کو نبی کہے اور تم اس کو امام کہتے ہو۔ میں نے کہا کہ ذرا شریعت کی کتاب اٹھا کے دیکھو کہ دین میں امام کی شرطیں کیا ہیں؟ جو اس کی بکواس ہے وہ تو اس کو واجب القتل قرار دیتی ہے۔

عزیزانِ من! جنازہ نکلا ہوا ہے مسلمانوں کے دینی علم کا۔ مجھے بڑا افسوس ہوتا ہے، اس طرح بہے جاتے ہیں جس طرح تنکا سیلاب میں بہے جاتا ہے۔ انہوں نے ایک جملہ سیکھا ہوا ہے کہ "آدمی کو Broad minded یعنی فراخ دل ہونا چاہیئے"۔ اور ایک دوسرا جملہ ہے کہ I have got my own views on religion

(یعنی مذہب کے بارے میں میرے اپنے خیالات ہیں۔)

میں تو ان سے کہتا ہوں کہ مسلمان تو ہو اللہ کے فضل سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان بھی رکھتے ہو۔ مجھے قرآن پاک میں وہ جگہ دکھا دو جہاں پر لکھا ہو کہ تمھیں اختیار دیا جاتا ہے کہ تم اپنی مرضی کے مطابق اجتہاد کر سکتے ہو۔ اگر یہ اجتہاد ہے بھی۔

Who has given you this authority ? What is the Book-standard ? Where do you stand ? How dare can you say when you have no authority to support what you do.

(تمھیں یہ اختیار کس نے دیا ہے، اس کا معیار کیا ہے، تمھارا موقف

کیا ہے؟ جب تمھیں اپنے عمل کی حمایت کا اختیار ہی نہیں، تو تم یہ کہنے کی جسارت کیسے کر سکتے ہو؟

عزیزانِ من!

جو عورت یا لڑکی حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا، خاتونِ جنّت سے اپنا تعلق رکھے، وہ زندگی کی بہاریں دیکھے گی۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ

اس آیت میں اتنا اثر ہے کہ سات مرتبہ پڑھنے سے آپ تمام عمر کے اپنے والدین کے حقوق ادا کر دیں گے۔ یہ پڑھ کر حضرت بتول رضی اللہ عنہا کی رُوحِ مبارکہ کو بخش دیں۔ پھر پنجتن پاک کی ارواحِ مقدسہ پہ آپ اسی طرح کریں۔ پھر دیکھیں اولیاء کرام آپ پر کتنے مہربان ہوتے ہیں۔ دروازے بھی کھلتے ہیں۔ چشت میں سے جاؤ تو بہشت۔ صابری میں سے جاؤ تو بھی شبیر بن کے آؤ۔ بات یہ ہے کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ آپ انہیں یاد کریں گے، تو وہ بھی آپ کو یاد کریں گے۔ یہ ایک عجیب راز ہے۔

ایک درویش تھے وہ وضو کے دوران داڑھی میں خلال کرنا بھول گئے۔ جب رات کو سوتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ "مجھے حیرانی ہے کہ تم خلال کرنا بھول گئے ہو۔"

چلئے یہ علم غیب کا رونا ہے۔ شیعہ کہتے ہیں ہم ہی سب کچھ

ہیں۔ میں اُن سے پوچھتا ہوں کہ تم سڑکوں پر ٹریفک رکوا دیتے ہو۔ کیا یہ دہشت گردی یا غنڈہ گردی تم کو نہیں لگتی۔ جس طرح تم پیٹ رہے ہو، کیا تم اپنے دادا پر دادا کو بھول رہے ہو؟"

ایک دفعہ میں مری گیا ہوا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب میرے زیادہ تر کولیگ یعنی ساتھی آرمی میں تھے۔ اور وہ وہیں رہتے تھے۔ میرے ساتھ میرا ایک کرنل دوست تھا۔ راستے میں کچھ آوازیں آرہی تھیں۔ میں نے پوچھا۔ یہ کیا ہے؛ کہنے لگے ابھی پتہ چل جائے گا۔ جب ہم موڑ کاٹ کے آگے بڑھے تو آوازیں نکالنے والے شیعہ نکلے صرف شلواریں پہنے ہوئے تھے۔ سینے ننگے اور زنجیروں سے اپنی پیٹھ پہ ماتم کر رہے تھے۔ آپ یقین جانئے کہ جب وہ ہمارے پاس سے گزرے تو اتنا تعفن تھا کہ مجھے رُومال ناک پہ رکھنا پڑا۔ آپ ہمیں بتا دیجیے کوئی مذہب ہے جو یہ کہے کہ ماتم کرو۔ آپ نے تو دیکھا ہو گا کہ جب یہ لوگ نماز پڑھتے ہیں تو اس میں بھی تبرّا کہتے ہیں۔ گالیاں دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے محفوظ رکھے۔ آمین!

عزیزانِ من ! بات یہ ہے کہ قبر کی جو Identity یعنی شناخت کے بارے میں یہی سمجھتے ہیں کہ یہ ایک گڑھا ہے۔ جس میں مُردے کو بند کر دیتے ہیں۔ قبر کا Concept یعنی تصوّر کیا ہے۔

There is no concept about grave, they think it is a ditch, filled up and closed, that's all.

(قبر کے بارے میں کوئی تصور نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک گڑھا ہے، جسے بھر کے بند کر دیا جاتا ہے۔ بس اتنا ہی۔)

یہ تیس سال پہلے قصور کا چھوٹا سا مشہور واقعہ ہے۔ مجھے کہا گیا کہ یہ جو قبرستان ہے یہاں ایک جنازہ لایا گیا۔ جب اس کو قبر میں رکھا تو آگ نکلی اور قبر نے اُسے پھینک دیا۔ لوگ سوچنے لگے کہ کیا کریں۔ دوسری بار رکھا پھر قبر نے اسے پھینک دیا۔

لوگ بہت پریشان ہوئے۔ آپس میں کہنے لگے کہ کیا ماجرا ہے۔ پھر بیچ میں کچھ بڑے بوڑھوں نے شرم دلائی کہ جنازہ ہے، مُردہ ہے۔ تم اس کو اندر رکھ کے نکل جاؤ۔ چنانچہ میت رکھ کر وہ لوگ تین فرلانگ تک بھاگ گئے۔ اس طرح جب تیسری بار آگ نکلی اور قبر نے میت کو باہر پھینک دیا، تو لوگ زیادہ پریشان ہو گئے۔

اُس وقت حضرت باقر شاہ رحمتہ اللہ علیہ ایک بزرگ ہوتے تھے۔ اُن لوگوں نے کہا کہ اب کیا کریں، کسی نے کہا کہ شاہ صاحب کو بُلا لیں۔ چنانچہ شاہ صاحب کے پاس یہ لوگ پہنچے۔ آپ کافی معمّر تھے۔ عرض کی کہ یہ بات ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔" اچھا، اب جاؤ، قبر کھودو اور میت ڈالتے ہوئے کہنا کہ باقر شاہ نے کہا ہے کہ قبول کرلے۔ اور پھر میرے پاس آنا۔" خیر تو یہ لوگ واپس گئے اور جب مُردہ کو قبر میں رکھنے لگے، تو کہا ان لوگوں نے

کہ باقر شاہ صاحب نے کہا ہے کہ قبول کرلے۔ اس مرتبہ قبر نے لے لیا۔ پھر لوگوں نے قبر بند کی اور اس بزرگ کے پاس گئے۔

بزرگ نے مرنے والے کے بیٹوں سے کہا "دیکھو میاں، تمھارے والد جو تھے، وہ بہت ہی بدکار تھے۔ اللہ عام طور پر کسی کا پردہ چاک نہیں کرتا، اس کا پردہ چاک کر دیا، تم نے دیکھا کہ میں نے مراقبہ کیا۔ بڑی مشکل سے جا کے یہ معاف کرایا۔ تم ایسا کرو کہ جا کے فوراً اتنی خیرات کرو۔"

اب دیکھئے! تینوں لڑکے کیا کہتے ہیں۔ کہنے لگے "جی خیرات کریں گے مگر فوراً نہیں ہو سکتا ہے۔" بزرگ نے پوچھا "کیوں؟ فوراً کیوں نہیں کر سکتے؟" کہنے لگے کہ "ان کی جائیداد جو ہے وہ کورٹ میں کیس دائر کر کے وہ پھر تقسیم ہو گی۔" بزرگ نے پھر کہا تو کہنے لگے۔ "جی وہ جائیداد جو ہے وہ تقسیم ہو گی۔" وہ بزرگ کہنے لگے "میاں وہ آگ میں جل رہا ہے۔" کہا "جی ہم دے دیں گے، جب فیصلہ ہو جائے گا۔"

حضرت باقر شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے مرید جو پاس بیٹھے ہوئے تھے، وہ کہنے لگے کہ "حضرت جب آپ پہ یہ سب کچھ عیاں تھا، جب آپ نے مراقبہ کیا۔ تو پھر آپ نے کیوں ان کو مردے کو قبر میں رکھنے کی اجازت دی، پڑا رہتا وہیں پر۔" آپ نے فرمایا "یہ خرابی کی

بات ہے اور میں نے ان کے ساتھ خیرات کے لئے اس لئے زیادہ زور نہیں دیا کہ انہوں نے دینا ہی نہیں تھی۔ میں حکم نہیں لگا سکتا تھا ورنہ مُردہ پڑا رہتا۔"

ایک واقعہ اور ہے جو ایک وہابی نے لکھا ہے۔ اور جس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی میرے پاس ہے۔ ایک مُردے کو دفنانے لے گئے تو ایک بڑا سانپ تھا قبر کے اندر۔ تین دفعہ سانپ کو قبر سے نکالنے کی کوشش کی، مگر کامیابی نہیں ہوئی، بڑا خوف ناک سانپ تھا۔ ایک جگہ اتفاق سے ایک قبر کھُدی ہوئی تھی۔ ایک پولیس والے نے جا کے دیکھا کہ ایک سانپ مُردے پر سوار ہے۔ اس کی زبان کھینچتا ہے اور ڈنک مارتا ہے، پھر تھوڑی دیر کے بعد ڈنک مارتا ہے۔ اس سے اس پر ایسا خوف طاری ہو گیا کہ تھانے آتے ہی اُس نے وردی اُتار دی۔ اور کہا کہ میں ڈنک نہیں لگواؤں گا۔ نوکری گئی جہنّم میں۔"

تو عزیزانِ من! آج میں نے جہاں تک مجھ سے ہو سکا (افسوس میرا حافظہ ساتھ نہیں دیتا۔) حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے مناقب بیان کئے۔ آپ کے اسم گرامی میں لفظ زہرا جو ہے، اس کے معنی ہیں خوشبو دینے والا پھول۔ بتول کہتے ہیں پاکیزہ کو ـــــ سیّدۃ النّساء العالمین، یعنی عالمین کی عورتوں کی سردار۔ سیدۃ النساء

الجنّۃ یعنی جنّت کی تمام عورتوں کی سردار۔ راضیہ یعنی جو اللہ کی رضا پر راضی ہو چاہے دُکھ ہو یا سکھ ہو۔

؎ میری انتہائے گزارش یہی ہے
کہ تیرے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

؎ خدایا بجز تو الٰہے ندارم
بجز ذاتِ پاکت ثنائے ندارم
نیم پاک دامن بہ عصیان بہ خویشت
بجز تو دیگر عُذر خوائے ندارم
بگیر از کرم دستِ من تا بہ محشر
بجز دردمند تو سپائے ندارم

؎ ہزار بار بشویم دہن بہ مُشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است
خدایا تُو کریم، رسُولِ تو کریم
صد شکر کہ استیم میانِ دو کریم

؎ مشتاقِ آفتابِ جمالِ محمّدیم
مابندۂ محمّدؐ و آلِ محمّدیم
مارا است چہ لافِ غلامیٔ مصطفےٰ
ماکم تری غلامِ بلالِ محمّدیم

عالی مقام سیدنا حضرت

امام حسن رضی اللہ عنہٗ

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف "افضل سرکار" رحمۃ اللہ علیہ

۱۷ مئی ۱۹۹۷ء

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکَرِیْمِ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمام تعریفیں اللہ جل شانہٗ کے لئے ہیں، جو نہایت ہی کریم اور نہایت ہی رحیم ہے۔ رب العالمین، رحمٰن، حنّان، منّان، دیّان، سلطان، فرقان ہے۔ جس کی شان باباقی، جس کی ابتداء اور انتہا دونوں نہیں۔ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

درودِ لامحدود، حضورِ نبیٔ کریم، تاجدارِ مدینہ، شفیع المذنبین، رحمتہ اللعالمین، سیّد الاوّلین والآخرین، فخرِ موجودات وکائنات، حضور احمد مجتبیٰ، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم پر جو رحمتہ اللعالمین ہیں،

جن کے در سے ہمیں ایمان ملا، ایقان ملا، کلمہ ملا، ہر نیکی کا نشان ملا۔ جن کے لئے اللہ جلّ شانہٗ نے درُود کو وظیفہ کی صورت میں کرنے کا حکم دیا۔ جن کے اخلاق کی تعریف یہاں تک کی کہ فرمایا: اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ۔

سلام ہو اللہ کے اُن پیاروں پر جنھوں نے اندھیرے میں بھٹکنے والی مخلوق کو اُجالا دکھایا اور صحیح مالک اور حقیقی خالق سے جا ملایا۔ جن کے فیضان جاری تھے، جاری ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ حشر تک جاری رہیں گے۔

امّا بعد۔ عزیزانِ من!

ان چند دنوں میں تذکرہ شہادت ہوتا ہے۔ لیکن جب تک پنجتنِ پاک کی من حیث الکل کی حقیقت کو آپ نہیں سمجھیں گے، شہادت کے مقام سے بھی اور اس کی اہمیت سے بھی آگاہ نہیں ہوں گے۔ اس لئے ہمارے یہاں روزانہ شہادت کا بیان ہوتا ہے۔ میں یہاں پنجتن پاک کی اہمیت کو واضح کرنا چاہتا ہوں۔

پنجتن پاک کسے کہتے ہیں۔ وہ کون سے مقدس تن ہیں؟ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم، حضرت سیّدۃ النساء، خاتونِ جنّت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا، مولائے کائنات، مُشکل کُشا، مظہر العجائب و غرائب، اسد اللہ غالب، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ، حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ

اور سیّد الشہدا سیّدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں، حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بارے میں، حضور مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ فقیر بیان کر چکا ہے۔

آج میں سیّدنا امام حسن عالی مقام رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ بیان کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ میں بیان کر سکوں۔ کل انشاء اللہ شہادت کا بیان جو ساتھ ساتھ جاری ہے، ختم ہو گا۔ تو میں Sum up کر دوں گا۔ یعنی یہ سارا جو بیان ہوا ہے، ان کا Critical View (تنقیدی جائزہ) آپ کے سامنے پیش کر دوں گا۔

سیّدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، حضرت خاتونِ جنّت رضی اللہ عنہا اور مولائے کائنات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے بڑے صاحبزادے تھے، جنھیں ہم لوگ شہزادے کہتے ہیں۔ ان کے بارے میں بہت تھوڑا کچھ لکھا گیا۔ بہت تھوڑا کچھ بیان کیا گیا۔ اگر کہیں ذکر ہے بھی تو وہ سرسری ہے۔ حق ادا کسی نے نہیں کیا۔ حالانکہ جتنا آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلّم کے دین کی عظمت اور مسلمانوں کی خیر خواہی جس طرح کی، تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کرتی۔

یاد رکھو! جب کوئی تخت و تاج پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے، تو وہ تخت و تاج تلوار سے ہی لیتا ہے اور یہ تلوار ہی سے چھن جاتا ہے۔ اور دیا بھی تلوار سے جاتا ہے۔ جب مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کی مسجد میں شہادت ہوئی تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ غم کے بُت بنے ہوئے آپ کے پاس کھڑے تھے، اور مولائے کائنات فرماتے ہیں۔

"اے حسن! تم غمزدہ ہو؟"

آپ رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں"۔ ابا جان! جب پہاڑِ غم مجھ پر ٹوٹا ہے تو میں غمزدہ کیوں نہ ہوں"۔

پھر آپ نے ان کو کچھ نصیحتیں کیں، جن سے ان کا قلب قرار ہو گیا۔ کچھ ہدایتیں دیں، کچھ وصیتیں کیں۔ پھر فرمایا "میرے قاتل کے ساتھ نرم سلوک کرنا۔ ایسا نہ کرنا کہ اسے قتل کر کے اس کے جسم کے ٹکڑے کئے جائیں یا اُسے مسلا جائے۔ ایسا مت کرنا، دوسرا اگر دیت سے اُسے چھوڑنا ہے تو دیت معمولی سا لے کر چھوڑ دینا، یعنی دنیا والوں کی طرح لالچ کر کے یہ نہیں کہ بہت بڑا مطالبہ کرو۔ بس لفظ کے ساتھ تقاضا پورا ہو جائے۔ ہم اہلِ بیت ہیں۔

آدم علیہ السلام کا خمیر خاک اور پانی سے تیار کیا گیا۔ ایک دفعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلّم) اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کیا چیز تخلیق کی؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔" اے جابر! سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی، وہ تیرے نبی کا نُور تھا اور میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام ابھی آب و گل میں تھے یعنی ابھی ان کا نشان بھی نہیں تھا۔"

اب اُدھر سے جو چلے گا تو خاکی نسبت ہوگی، جب اِدھر سے چلے گا تو نُوری نسبت ہوگی۔ نُور سے تو نُور ہی نکلے گا۔ تو اس واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے ان دو شہزادوں کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرے جنّت کے دو پھول ہیں۔ اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جب آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کھڑے ہو جاتے تھے۔ سینے سے لگا کے کہتے تھے۔" اے فاطمہ! تیرے اندر سے مجھے جنّت کی خوشبو آتی ہے۔"

چنانچہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت نزدیک آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔" اے اسماء، اے ام سلمیٰ! فاطمہ کے پاس جاؤ اور اس کی مدد کرو۔ کیونکہ بچّے کی ولادت ہونی ہے اور ولادت کے بعد جب بچے کی آواز سنو، تو اس وقت دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا۔ (جیسے نماز کے

وقت ہوتی ہے) بس پھر کچھ نہ کرنا جب تک میں نہ آؤں"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم جب تشریف لے گئے تو آپ نے ناف کاٹی اور ناف کاٹ کے آپ نے دو مینڈھے ذبح کئے عقیقہ کے طور پر۔ اور سَر کے بال مُبارک جو تھے ان کے وزن کے برابر چاندی کا صدقہ دیا، اور جس دائی نے سرانجام دیا تھا اس کو یہ چاندی انعام میں دی۔

حضرت اسماء اور ام سلمٰی حیرت میں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو جب دیکھا تو کہنے لگیں "یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلّم) ہم نے فاطمہ سے خون کا ایک قطرہ بھی نکلتے ہوئے نہیں دیکھا؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "تم میری بیٹی کی حقیقت کو کیا جانو! میری بیٹی ان تمام چیزوں سے پاک ہے"۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ تعالیٰ سے اپنے اہل بیت کے لئے ایک دُعا مانگی تھی کہ "اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں میں ان سے پیار کرتا ہوں، ان سے ہر ناپاکی دُور کر"۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک اتنے بڑے نبی کی دُعا قبول نہ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ایک دن کسی عالم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر جب نماز پڑھنے لگے تو دیکھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کبھی آپ کی گردن پر چڑھ جاتے ہیں، کبھی پیٹھ پر، کبھی اس طرح، تو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم حرکت کرتے وقت اُن کو ہٹاتے رہتے اور ہٹاتے نہیں، جب سلام پھیرا تو صحابہ کرام نے کہا "یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی بچے کو اتنا پیار کیا ہو" فرمایا "ہاں! میں پیار کیوں نہ کروں، یہ میرا بیٹا جو ہے مسلمانوں کے دو گروہوں کے اندر جب قتل و غارت گری قریب آئے گی تو یہ اُن میں اتفاق کرا دے گا، صلح کرا دے گا، اور میری اُمت قتل و خونریزی سے بچے گی۔ اور دوسرا جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں اس کے بارے میں تم نہیں دیکھ سکتے۔ آپ نے آگے بیان کر دیا۔

چنانچہ جب آپ رضی اللہ عنہ جوان ہوئے تو آپ (رضی اللہ عنہ) اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا آپس میں بہت تھوڑا فرق تھا، بہت معمولی۔ ایک دن اُن کی آپس میں لڑائی ہو رہی تھی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی طرف ہوئے کہ حسین کو یہاں سے پکڑو۔

اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی۔ "ابا جان! آپ حسن کو بہت بتا رہے ہیں کہ یہاں سے پکڑو، یہاں سے پکڑو، لیکن حسین کو کچھ نہیں بتا رہے ہیں۔"

فرمایا "حسین کی طرف جبرائیل ہیں، اس لئے میں حسن کی طرف ہوں۔"

ایک دفعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پریشان تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "کیا بات ہے؟" کہا "شہزادے دونوں نظر نہیں آرہے"۔

آپ بھی پریشان ہو گئے۔ اس وقت حضرت جبرائیل تشریف لائے اور عرض کی "اے حبیب اللہ! شہزادے جو ہیں وہ آرام کر رہے ہیں فلاں جگہ پر اور فرشتوں کی ڈیوٹی لگا دی گئی ہے کہ انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو"۔

حضور جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ شہزادے آرام کر رہے ہیں، ایک فرشتے کا ایک پَر اُن کے نیچے اور ایک پَر اُن کے اوپر ہے۔

بات یہ ہے کہ جب وقت اسلام آیا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تو کلمہ گو تو تھے، لیکن چند ہزار نفوس ایسے تھے جو صدقِ دل سے مسلمان تھے اور ان میں ایسے چند ہی تھے جو جان نثار تھے، اور چند ہی ایسے تھے جن کو خلفائے راشدین کا مرتبہ ملا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں امیر معاویہ نے اعلان کر دیا تھا کہ ہم باغی ہو گئے۔ امیر معاویہ کون تھا؟ یہ یزید کا باپ تھا۔ یہودی جو تھے یہ خارجی اپنا کام تیزی سے کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان جنگ کرا دی جسے جنگِ جمل کہتے ہیں۔ جب بات واضح

ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ اصل معاملہ کیا ہے، اور کہا کہ آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔

دورانِ جنگ جب کوئی صورت حل ہونے کی نظر نہ آئی، تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے چل کر آپ کے اُونٹ کے پاؤں کاٹ دیئے اور اُونٹ گرا، جس پر آپ کا لشکر بھاگ گیا یہ سمجھ کر کہ سب ختم ہو گیا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت عزت و احترام کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ بھیج دیا۔ جب آپ جا رہی تھیں مدینہ، تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ ساتھ ساتھ چل رہے تھے عزت کے طور پر، اور بھی عورتیں تھیں جو اُن کے ساتھ روانہ کر دی گئی تھیں۔ اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرما رہے تھے "آپ ام المومنین ہیں، میری ماں کی جگہ ہیں، میری ساس بھی ہیں اور بھی کئی رشتے ہیں، قرابتداری کے۔ میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ باقی رہا معاملہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا، تو جب تک کہ مجھے ثبوت نہ پہنچے کہ قاتل کون ہے، میں تو گردن نہیں مار سکتا۔"

چنانچہ یہ چیز صرف کہنے والی نہیں، آپ نے کر کے بھی دکھایا، جب لوگوں نے کہا کہ ابنِ ملجم جو ہے وہ پھر رہا ہے اور اے علی (رضی اللہ عنہ) وہ آپ کی تاک میں ہے، تو آپ چُپ ہو گئے۔ جب بار بار

کہا تو آپ نے فرمایا: "کیا تم مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ میں اسے قتل کر ڈالوں اس سے قبل کہ وہ مجھے قتل کر دے۔ جب اس نے قتل ہی نہیں کیا، تو میں کیسے اسے قتل کروا دوں۔ جُرم کا ارتکاب ہی نہیں تو میں جُرم کی سزا کس طرح دُوں اُس کو۔" اس طرح آپ نے صرف کہا نہیں، کیا بھی۔

چنانچہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جب امیر المومنین ہوئے تو امیر معاویہ نے ملوکیت قائم کر دی جب کہ ادھر خلافت چل رہی تھی۔

ایک صورت ایسی آئی کہ دونوں لشکر اکٹھے ہو گئے، یعنی آمنے سامنے۔ حضرت امام حسن عالی مقام کی طبیعت نے گوارا نہ کیا۔ وہ نُوری عقل وہ نُوری بصیرت، وہ نوری دل وہ نُوری فراست، اور وہ نوری کرم و رحم کی لہریں جو اندر موجزن تھیں، وہ حائل ہو گئیں، آپ رضی اللہ عنہ کسی مسلمان کا خون بہتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے، کس لئے؟ صرف تاج و تخت کے لئے؟ امیر معاویہ آپ کو تنہائی میں ملا۔ آپ نے کہا: "مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

ادھر آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ میرے ساتھ جو لوگ ہیں وہ ایسے ہیں کہ جب تلوار نکلے گی تو چُپکے سے اِدھر اُدھر ہو جائیں گے۔ اگر دوسری طرف نا بھی نکلے ہوں تو خلقِ خدا کا خُون

کیوں بہائیں۔ ہم تو دنیاوی جاہ وحشم کے طلبگار نہیں ہیں۔

چنانچہ آپ نے کہاکہ ''یہ میری شرائط ہیں، تم مان لو، میں تمھارے حق میں دست بردار ہو جاتا ہوں''۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو چھ مہینے ہو گزرے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ خلافتِ راشدہ جو ہے وہ تیس سال چھ ماہ کے قریب رہے گی۔

شرائط میں منجملہ دیگر کے ایک شرط یہ تھی کہ جب تم انتقال کر جاؤ گے، تو خلافت ہماری طرف لوٹ آئے گی۔ اس وقت جو بھی ہو، یزید نہ ہو پائے۔ اس نے مانا لیکن یزید کو ہی ولی عہد کیا، پھر آپ نے فرمایا کہ بیت المال میں ہمارا بھی حق ہے۔ اس نے مانا کہ میں ہر سال ایک لاکھ درہم آپ کو بھیجا کروں گا، جس سے آپ اور اہلِ بیت جتنے بھی ہیں، سب کے اخراجات اس میں سے پورے ہوں گے۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ والد صاحب رضی اللہ عنہ کے وقت کے عراق میں یا کوفہ میں جو لوگ ہیں، ان میں سے کسی کو تختۂ ستم نہ بنایا جائے۔ امیر معاویہ نے کہا کہ آپ کا فلاں شخص جو ہے، اس کے متعلق میں نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ اگر وہ میرے قبضۂ قدرت میں آگیا تو میں اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔

اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو معاہدہ ختم، یہ نہیں ہوسکتا۔ اس نے کہا ٹھیک ہے، جیسے آپ کہیں، چنانچہ اس پر آپ نے مسجد میں کھڑے ہو کر کہا کہ میں معاویہ کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں۔ اور یوں کہہ کر آپ نے اپنے نانا جان کی یہ پیشگوئی جو تھی اس پہ تصدیق کی مہر لگا دی کہ "میرا بچہ جو ہے، یہ مسلمانوں کے دو گروہوں کو قتل، خون و غارت سے نجات دے گا اور ان میں اتحاد قائم کر دے گا

بات یہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ کے کئی قسم کے بد خواہ لوگ تھے، ایک تو دشمن تھے، ایک گروہ ایسا تھا جو کہتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان یعنی اہل بیت میں خلافت نہ آئے۔ آپ نے جب خلافت چھوڑی، اسی دن سے مسلمانوں کی تاریخ میں ملوکیت شروع ہوگئی، یعنی (Monarchy) باپ بادشاہ تو بیٹا بھی بادشاہ، سلسلہ یوں چلا۔

پہلے یہ تھا کہ مجلس شوریٰ ہوتی تھی، انتخاب ہوتا تھا، اس میں ہر ایک کا تقویٰ دیکھا جاتا تھا، دیانت داری دیکھی جاتی تھی، سخاوت دیکھی جاتی تھی، اور جتنی خوبیاں ہیں وہ دیکھی جاتی تھیں۔ یہ سب کچھ جانتے تھے۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے آپ کو طعنہ بھی دیا کہ کتنی بڑی آڑ آپ نے دی ہے، یہ آپ کے لئے عار کا باعث ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "میں تمھارے لئے نار کا باعث نہ بنا، کیونکہ قرآن پاک اور حدیث شریف میں بھی ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان کو قتل کرتا ہے وہ ہمیشہ جہنم میں رہتا ہے"۔ آپ نے مزید فرمایا "آرنار سے بہتر ہے"۔

یہ نوری عقل کا نوری جواب تھا۔ انھوں نے کہا ٹھیک ہے، چونکہ آپ رضی اللہ عنہ کے پیچھے لگے ہوئے تھے، اس لئے آپ کو کئی بار زہر دیا گیا۔ آپ دونوں بھائیوں میں بے حد محبت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے "یہ میرے اہلِ بیت ہیں، جو مجھ سے اور میرے اہلِ بیت سے محبت کرے گا، وہ جنت میں اس طرح داخل ہوگا جیسے دلہن دولہا کے گھر جاتی ہے"۔

آج سب سے زیادہ بے عزتی آلِ رسُول کی کی جاتی ہے — جو (Manual) یعنی دستی کام ہیں وہ انہی سے لئے جاتے ہیں۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت سے کون واقف نہیں۔ آپ شاہی پہلوان تھے، اور آپ کی پیٹھ کوئی نہیں لگا سکتا تھا۔

ایک دن ایک شخص آیا، ایک یا ڈیڑھ پسلی کا۔ اس نے کہا کہ میں شاہی پہلوان کے ساتھ دنگل کرنا چاہتا ہوں۔ اُسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے کہا "تو اپنی جان کا دشمن کیوں

بنتا ہے، کیا وجہ ہے؟"

اس نے کہا "کشتی کا معاملہ ہے، میں آپ کے پہلوان سے کشتی لڑنا چاہتا ہوں۔" بادشاہ نے بہت سمجھایا اور کہا کہ اسے میرا پہلوان دکھا دو۔ جب اس نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تو بادشاہ سے کہا "مجھے کوئی دہشت نہیں آپ کے پہلوان سے، میں کشتی کرنا چاہتا ہوں۔"

بادشاہ نے کہا "اچھا مقرر کر دو وقت۔"

چنانچہ وقت مقرر ہو گیا۔ دُنیا اکٹھی ہو گئی۔ بادشاہ نے پھر اُسے بلایا اور کہا "اے شخص تو اپنی جان پر اور اپنے بال بچّوں پر رحم کر۔" اس نے کہا "اے بادشاہ! میں یہ سارے کام کر کے آیا ہوں، مجھے اب دیر نہ کریں، دنگل میں اُترنے دیں۔ آپ بھی اپنے پہلوان کو کہیں کہ وہ دنگل میں اُتر آئیں۔ دو ہاتھ میں بات ختم ہو جائے گی۔ جھگڑا کس بات کا۔"

بادشاہ نے حکم دیا۔ کشتی سے پہلے جو سلامی ہوتی ہے وہ ہوئی۔ سلامی کے وقت اس شخص نے خاموشی سے پہلوان سے کہا "اے جنید! میں پہلوان نہیں، میں سیّد زادہ ہوں، آلِ رسُول ہوں۔ ہمیں صدقہ و خیرات جائز نہیں۔ میرے کُنبے اور خاندان پر بہت سخت وقت ہے۔ اس لئے میں یہاں آ گیا ہوں۔"

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا "اگر یہ بات ہے، تو تم جدھر سے چاہو ہاتھ لگاؤ، میں ادھر گر پڑوں گا"۔

اس طرح جب دو چار اٹھک بیٹھک ہو چکے، تو جونہی ہاتھ لگایا وہ گر ے۔ بادشاہ بڑا پریشان، یہ ڈیڑھ پسلی کا آدمی، جو کہہ رہا تھا وہ کر کے دکھا رہا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ دھوکا ہے، فریب ہے، کوئی جادو ہے۔ کشتی دوبارہ ہو۔

اس شخص نے کہا "میں دوبارہ تیار ہوں"۔ پھر اُترے اور جیسے ہی اُس نے ہاتھ لگایا تو آپ دوسری طرف گر گئے۔ جب تین دفعہ گرے تو بادشاہ پریشان ہو گیا۔ اور کہا کہ اس کو انعام دے دو۔

پھر بادشاہ نے حضرت جنید بغدادیؒ سے کہا کہ تم مجھ سے ملے بغیر مت جانا۔ آخر میں انہیں بلایا اور کہا۔

"اے جنید! میں بادشاہِ وقت ہوں۔ میری عقل اور فہم و فراست سب زیادہ ہے۔ میں یہ کیسے یقین کر لوں کہ اس ڈیڑھ پسلی والے آدمی نے تمھیں گرا دیا۔ تم نے بڑے بڑے پہلوانوں کو آنِ واحد میں گرا دیا ہے۔ اور اس نے اُلٹا تمھیں آنِ واحد میں ہاتھ مار کے گرا دیا۔ ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں، تین دفعہ"۔

آپ نے کہا "اے بادشاہ! اگر سچ پوچھتے ہو تو بات یہ ہے کہ اس نے مجھ سے یہ بات کہی ہے۔ جس کے مقابلہ میں یہ تیری

پہلوانی، یہ نوکری، یہ عزت، جو تُو نے دی ہے، یہ میرے لئے خاک کے برابر نہیں۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی آل اولاد پر اپنی جان اور ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہوں۔ اپنی آن تک قربان کرتا ہوں۔ میں بہت خوش ہوں، میں بہت مطمئن ہوں۔ مجھے اب یہ نوکری نہیں چاہیئے، خدا حافظ"۔

بادشاہ نے بہت ترغیب دی، لیکن آپ نے کہا "نہیں، اور کوئی پہلوان رکھ لیں"۔ اس طرح آپ چلے آئے۔ اس رات جب سوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

"اے جنید! تُو نے آج میری اولاد کی اتنی پالنا کی، کل ہم تمہارا نام اتنا بلند کریں گے کہ تم دیکھ لوگے"۔ چنانچہ آپ سید الطائفہ ہوئے، اولیأ کے سردار ہوئے۔

تو عزیزانِ من! جتنی رُسوائی آج سیدوں کو دی جاتی ہے، رُوح لرز جاتی ہے، کیا کریں۔ بُرائی کا نام نیکی رکھ دیا ہے، نیکی کا نام بُرائی رکھ دیا گیا ہے۔ اب اس کی تعلیم کیسے کریں۔ وہ کون سی دوائی ہے، جس کو جگ میں ڈال کر لوگوں کو پلائی جائے تاکہ وہ بُرائی کو بُرائی سمجھیں اور نیکی کو نیکی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "جس کے دل میں میری اور

میرے اہلِ بیت کی اور میرے قرابتداروں کی محبت نہیں، اُس کے اندر ایمان داخل نہیں ہوسکتا، اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکتا، جنت کی خوشبو نہیں پاسکتا۔"

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیئے گئے، لیکن کسی نہ کسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو بچالیتا تھا۔ بے انتہا سخی تھے۔ جب آپ سے ظاہری خلافت لی گئی یعنی تخت و تاج، تو اسی وقت آپ کو دکھایا گیا کہ اگر ظاہری خلافت لے بھی لی گئی، باطنی خلافت جو ہے' وہ اہلِ بیت کے پاس رہے گی، قیامت تک۔

چنانچہ آج بھی دوسرے عہدوں پہ ابدال وغیرہ تو پہنچ جاتے ہیں، قطبیت کا جو عہدہ ہے، جہاں باطنی حکومت کا معاملہ ہے۔ وہ صرف اہل بیت میں سے ہوتا ہے اور آیندہ بھی ہوگا، یہ کسی اور کے لئے نہیں۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے علم کا یہ حال تھا کہ جب کوئی دینی مسئلہ ہوتا اور آپ سے پوچھا جاتا، تو آپ آنِ واحد میں حل کر دیتے۔

جب آپ کا آخری وقت تھا، تو اس دفعہ آپ کو ایسا زہر دیا گیا کہ آپ کے جگر کے ٹکڑے چھوٹے چھوٹے ہو کر آپ کے مُنہ سے نکلنے لگے۔ جب آپ کا آخری وقت قریب آیا تو آپ کے چھوٹے بھائی سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ رونے لگ گئے۔ اور کہنے لگے۔

"اے میرے بھائی مجھے کچھ تو بتاؤ کہ تمھیں کس نے زہر دیا۔ تمھیں معلوم ہے"۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں"۔ آپ نے کہا۔ "مجھے بتادو"۔ آپ نے فرمایا" میں تمھیں اس لئے نہیں بتاتا کہ تم اُسے قتل کردو گے اور اگر میرا گمان غلط ہو، تو ناحق قتل ہوگا۔ میں ایسا نہیں کرسکتا"۔

جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا نُور ہے، وہیں سے یہ باتیں ہو سکتی ہیں، کسی اور سے نہیں ہوسکتیں۔ وہ لمحہ آپ دیکھیں، نزع طاری ہے، شدید درد بھی ہے۔ نُور جو ہے نُور سے ہی نکلے گا، فتور نہیں نکلے گا۔

سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا" اے میرے بھائی۔ مت روؤ، میرا اللہ جانتا ہے کہ میرا اصلی قاتل کون ہے۔ تُو یقین رکھ، اس کا عذاب بڑا شدید ہوگا۔ اور اگر میں تمھیں گمان سے بتادوں تو کوئی ناحق قتل ہو جائے گا۔ یہ بڑی بے دردی کی بات ہوگی، افسوس کی بات ہوگی۔ میں یہ گوارا نہیں کرسکتا"۔

تھوڑی دیر بعد آپ نے دیکھا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آنا شروع ہوگئے۔ آپ نے کہا" اے میرے بھائی، کیا بات ہے"؟

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”مجھ میں اور تجھ میں اب فراق کی گھڑی قریب آرہی ہے اور میں تمھیں کربلا میں دیکھ رہا ہوں۔ جہاں تمھارے جسم کو تیروں، نیزوں اور برچھیوں سے چیرا جارہا ہے اور معصوم بچّوں کے حلق میں تیر لگ رہے ہیں پانی کے بدلے۔ یہ سب منظر کربلا کا نظر آرہا ہے۔ اور اب تو میری روانگی کا وقت ہے، وہاں سے ناناجان بھی، ابا جان شبیرِ خُدا بھی اور خاتونِ جنت بھی سب کہہ رہے ہیں کہ بیٹا آجاؤ اور میں جانے کے لئے تیار ہوں۔“

جب آپ نے خلافت سے دست برداری کی، تو کوفہ کا دارالخلافہ چھوڑ کر آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے۔ وصالِ مبارک سے پہلے آپ نے فرمایا کہ ”اگر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اجازت دیں تو مجھے ناناجان کے پہلو میں دفنا دیں“۔

اس پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ ”مجھے کیا عُذر ہو سکتا ہے۔“ لیکن اس وقت بھی دو گروہ بن گئے تھے۔ ایک اس پہ راضی تھا اور دوسرا گروہ مخالف تھا۔ چنانچہ آپ کو جنت البقیع میں دفنایا گیا۔ آپ کی والدہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے پہلو میں۔

آپ کی سخاوت و فیاضی کی جو باتیں تھیں، اس کی میں چاہتا

ہوں کہ چند واقعات آپ کے سامنے رکھ دوں، تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ پنجتن پاک کے ہر تن کا جلوہ اپنا اپنا ہے اور یہ جنت کا وہ گلدستہ ہے کہ اگر دنیا والے اس سے فائدہ نہ اٹھائیں تو اُن کی بدنصیبی ہے۔

ایک دن آپ رضی اللہ عنہ کہیں سے گزر رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی تنگی کا، مفلسی کا، محتاجی کا اور بوسیدگی کا رونا رو کے دُعا کر رہا ہے اور تقاضا کر رہا ہے کہ اے اللہ! مجھے دس ہزار درہم دے دے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے سُنا اور واپس ہو گئے۔ گھر آئے اور اپنے غلام سے کہا کہ "یہ دس ہزار درہم لے کر فلاں شخص کو دے آؤ جو وہاں بیٹھے ہوئے دُعا مانگ رہا ہے"۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ یہ جو آپ کا وظیفہ بیت المال کا آتا تھا، وہ معاہدہ کے مطابق نہ آیا۔ آپ رضی اللہ عنہ خاموش رہے، لیکن تنگی بڑھ گئی۔ آخر اور بھی اہلِ بیت تھے، ہر ایک کی ضرورت کے مطابق دینا ہوتا تھا۔ ایک کی تو بات نہ تھی۔ اس کے علاوہ غربا بھی آتے تھے اور سوال کرتے تھے۔ تو ایک دن مجبوری میں قلم اُٹھایا، کاغذ لیا، لکھنے لگے۔ لکھتے ہی پھر قلم چھوڑ دیا۔ اُونگھ آئی، سو گئے۔ دیکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں "اے

حسن ! (رضی اللہ عنہ) بیٹے کیا بات ہے، کیا ہو رہا ہے، تمھارا کیا حال ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ” نانا جان ٹھیک ہوں“۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ” ٹھیک نہیں ہو، بات تو کرو“۔ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ” بات اتنی ہے کہ بیت المال سے جو وظیفہ آتا ہے، وہ اب تک نہیں آیا ہے، جس کی وجہ سے تنگی ہے“۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ ”کیا تُو نے قلم، دوات اور کاغذ اس لئے اٹھائے تھے کہ ایک آدمی سے سوال کرے، ہم اہلِ بیت کو یہ زیبا نہیں“۔ پھر آپ نے ایک دُعا فرمائی کہ یہ پڑھو۔ وہ دُعا چھ دن پڑھی، تو ساتویں دن وہ وظیفہ جو رُکا ہوا تھا وہ آگیا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے بیس حج پیدل کئے، سواری ساتھ جا رہی ہے اور آپ پیدل چل رہے ہیں۔ اس طرح بیس حج کئے، آپ نے اپنی زندگی میں اپنا مال تین دفعہ اللہ کی راہ میں لٹا دیا تھا، حتیٰ کہ اپنا جُوتا، اگر دو جوڑے ہوتے تو ایک جوڑا دے دیتے۔ اور اپنے پاس بس ایک جوڑا رکھتے۔

ایک دن ایک شخص آیا۔ بہت پریشان حال۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا ”کیا بات ہے؟“ اُس نے کہا ” حضور میں بہت پریشان ہوں“۔ ساری اپنی کتھا سُنائی اور کہا کہ مقروض ہوں، پیسہ نہیں، مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ آپ نے اسی وقت غلام سے کہا کہ

خزانچی کو بلاؤ۔ خزانچی آیا تو فرمایا کہ اس سال کا جو وظیفہ ہے اس میں سے کتنا بچا ہے۔ اس نے حساب لگایا اور کہا جی پچاس درہم۔ فرمایا اور جو پچاس ہزار درہم میں نے تمھیں کہا نذار کھنے کے لئے، کیا وہ محفوظ ہیں۔ اس نے کہا جی وہ محفوظ ہیں۔ فرمایا وہ بھی لے آؤ اور یہ پچاس درہم بھی لے آؤ اور اس کو دے دو۔ اور اس آدمی سے فرمایا کہ مجھے افسوس ہے کہ تمھاری ضرورت کے لئے میں اس سے زیادہ نہ کرسکا۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مدینہ شریف جارہے تھے۔ سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ اتفاق سے راستے میں سامان چوری ہوگیا یا کچھ ایسا ہی ہوا۔ چلتے چلتے بُری حالت ہوگئی۔ پیاس لگی۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ ایک جھونپڑی نظر آئی۔ وہاں جاکر آپ رضی اللہ عنہ نے آواز دی۔ ایک بڑھیا نکل آئی۔ آپ نے فرمایا" اے خاتون! ہم مسافر ہیں۔ ہمیں پیاس لگی ہے، پانی ہے"؟

اس نے کہا" جی نہیں ہے۔ آپ اندر آئیے"۔ پھر کہا" یہ میری بکری ہے، آپ اس کا دُودھ دوہ لیں، اور جتنا چاہیں دُودھ پی لیں"۔ جب دُودھ پی چکے تو آپ فرمانے لگے" ہمیں بھوک لگی ہے، کچھ کھانے کو ہے"؟ اس عورت نے کہا" یہ بکری حاضر ہے، قسم ہے پروردگار

کی، ہمیں خوشی ہو گی اگر آپ اسے حلال کریں۔ میں اسے تین دن تک گرم کروں گی۔" اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے بکری حلال کی۔ چنانچہ آپ سب نے کھایا اور تین دن وہاں قیام بھی کیا۔ اس کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے۔

دو چار دن کے بعد اس کا خاوند آ گیا۔ عورت نے اس سے کہا کہ عجیب واقعہ ہوا۔ اتنے مہمان آئے ہوئے تھے۔ پوچھا کون تھے۔ کہنے لگی "کہتے تھے کہ ہم قریشی ہیں۔ اہلِ بیت ہیں۔ آلِ رسُول ہیں۔"

خاوند بہت ناراض ہوا۔ کہنے لگا۔ "تمھیں کوئی سُوجھ نہیں بُوجھ نہیں، پتہ نہیں کیسے قریشی تھے، کون سے قریشی تھے۔ تم جانتی بوجھتی نہیں، تم نے ویسے ہی بکری ذبح کرا دی۔"

جب امام عالی مقام رضی اللہ عنہ وہاں سے چلنے لگے تو آپ نے فرمایا تھا کہ "اے خاتون! ہم تمھارے کام آئیں گے کبھی۔ انشاءاللہ اگر اللہ کو منظور ہوا۔"

ایک سال ایسا آیا کہ سخت قحط سالی ہوئی۔ اتنی کہ لوگ بھوکے مرنے لگے۔ تو پھر اس عورت نے مدینہ شریف کی طرف رُخ کیا، وہ جب گزر رہی تھی تو حضور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ اپنے مکان کے دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جب آپ نے دیکھا کہ یہ تو

وہی عورت ہے تو آپ نے اُسے آواز دی ۔ وہ آئی، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اے خاتون ! کیا تو مجھے پہچانتی ہے ؟" اس نے کہا، جی نہیں ۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر وہ واقعہ سُنایا ۔ اس نے سُنا تو آپ نے پوچھا اب ؟ کہنے لگی کہ میں اب بھی نہیں پہچانتی ۔ آپ نے فرمایا کہ "اب بھی اگر نہیں پہچانتی تو بیں تو اپنی بات پر قائم ہوں میں تجھے ٹھیک پہچانتا ہوں، میں تجھے بھولا نہیں، تیرا کیا حال ہے ؟ اس نے کہا کہ "قحط سالی اور یہ سب کچھ ہے ۔ خوشحالی کو نظر لگ گئی، قحط سالی ہے "۔

آپ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اس کو ایک ہزار دینار دے دیئے، غلام کو ساتھ کیا اور فرمایا کہ اس عورت کو حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے پاس لے چلو ۔ جب وہاں پہنچے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اسے پہچان گئے ۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ بھائی صاحب نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ غلام نے کہا کہ انہوں نے ایک ہزار دینار دیئے ہیں ۔

چنانچہ آپ نے بھی ایک ہزار دینار نکال کے دے دیئے اور فرمایا کہ ان کو (حضرت) عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤ (کیونکہ وہ تینوں اس سفر میں شریک تھے ۔) غلام، عورت کو اُن کے پاس لے کے گیا اور معاملہ بتایا ۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ

میرے دونوں بھائیوں نے کیا کیا؟ غلام نے کہا کہ اس طرح کیا ہے۔ اس پر انہوں نے کہا۔ اچھا، میں دو ہزار دینار دیتا ہوں اور پانچ سو بکریاں، اس طرح وہ عورت قحط کی سختیوں سے نکل کر امیر ترین عورت بن گئی۔

بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ لوگ سمجھتے کہ مال اتنا آیا ہے، وہ کیا کریں گے۔ اپنی معمولی ضرورتیں پوری کر کے باقی رکھ دیتے ہوں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "وہ شخص بڑا خوش نصیب ہے جس کے پاس اللہ تعالیٰ سوالی بھیجتا ہے۔ میں تو سائل کا انتظار کرتا رہتا ہوں"۔

ایک دن ایک شخص آیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی ضرورت پوری کرنی تھی مگر آپ کے پاس کچھ نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا "تشریف رکھیں، آپ کی ضرورت آ رہی ہے"۔
اس کی ضرورت پانچ ہزار دینار کی تھی۔ کچھ دیر بعد کہیں سے نذرانہ آ گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح اس کی ضرورت پوری کی اور فرمایا "مجھے بڑی شرمندگی ہوئی کہ آپ کو میرے پاس بیٹھ کر انتظار کرنا پڑا"۔

تو میں اُن کی باتیں سُنا رہا ہوں جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ یہ میرے پھول ہیں اور ان سے بے حد

محبت کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل چالیس دن تک روزانہ خاتونِ جنت کی طرف تشریف لے جاتے تھے۔ وہاں جب گھر میں داخل ہوتے تو فرماتے ''اللہ کا سلام ہو تم پر، میرے اہلِ بیت پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہو، رحمتیں ہوں، برکتیں ہوں''۔ اتنی محبت کرتے تھے اُن سے۔

یہ اُمت کا فرض ہے کہ یہ سب کچھ جانے۔ اگر دعویٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا کرتے ہیں اور اُن کی آل سے، اور اس کا پتہ ہی نہیں، تو یہ کیسی محبت ہے۔ اس محبت کو ہم پہچانتے نہیں۔ کوئی اگر ہمارے لڑکے کو ہماری وجہ سے محبت دے تو ہمیں خیال آئے۔ لیکن اگر ہمارا بیٹا جائے اس سے ملنے اور وہ کہے کہ بیٹا ہمیں تو پتہ نہیں آپ کے والد کا، تو کیا خیال ہے میں اس کی شکل دیکھوں۔

ایک دفعہ بچپن میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک میں انگلیاں ڈالی ہوئی تھیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک اُن کے منہ میں ڈال دی، جب وہ چوس رہے ہوں گے، تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس دوران ان کے اندر کیا کیا علوم اُترے ہوں گے۔

عزیزانِ من! حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے طعنے برداشت کئے، لیکن قتل وخُون نہیں ہونے دیا، صرف تخت و تاج کی خاطر غارت گری نہیں ہونے دی۔ آپ نے کہا کہ قتل و غارت گری نہیں ہونے دیں گے۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیشگوئی جو تھی، اس پہ آپ نے مُہر ثبت کردی، یہ آپ کا مقام تھا، مختصراً میں نے بیان کیا، میں روکنا نہیں چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ آپ پنجتن پاک کے ہر تن کے بارے میں جانیں، اس میں لذّت ہے۔

عزیزانِ من! مجھے دین و دنیا میں جو کچھ بھی حاصل ہوا، پنجتن پاک کی محبت سے حاصل ہوا۔ یہ بات کہنے والی تو نہیں ہے لیکن آج کہہ رہا ہوں، کیوں کہ ہمارا پاؤں قبر میں لٹکا ہوا ہے۔ اب کیا رہا ہے۔ ہمیں تو جو کچھ ملا پنجتن پاک کے در سے ملا۔ روحانی درجات بھی ملے، پنجتن پاک کی محبت میں ہر کامل فقیر دیوانہ ہو جاتا ہے۔ جہاں اُن کا نشان دیکھتا ہے، دیوانہ وار اُس طرف جاتا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ آج کل بڑے بڑے فقیروں کی تو نیازیں لگائی جاتی ہیں، لیکن پنجتن پاک کی نہیں۔

عورتوں کو تو کم از کم حضرت فاطمتہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی نیاز دلانی چاہیئے۔ اور دوسروں کو کم از کم حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اور اللہ تعالیٰ کو خوش

کرنے کے لئے، مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کو خوش کرنے کے لئے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لئے فاتحہ وغیرہ کرنی چاہیئے۔

دیکھو تعلق بڑی چیز ہے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ تعلق بڑی چیز ہے۔ یہ باطن کا سلسلہ پکا کرلو، اس لئے کہ ان کو باطن کی بادشاہت عطا ہوئی ہے۔ کسی بھی ولی کو اس وقت تک ولایت نہیں ملتی جب تک منبۂ ولایت یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مہر ثبت نہیں ہوتی۔ جب آپ کی مہر ثبت ہوگئی تب وہ ولایت تصدیق شدہ ہوجاتی ہے، ورنہ نہیں۔

یہ لاہور کا واقعہ ہے تقسیم ملک کے وقت کا۔ ایک ہندو وہاں رہتا تھا، جو حضرت داتا رحمتہ اللہ علیہ کے دربار میں صبح وشام حاضری دیتا تھا۔ اس نے مزار شریف کا کچھ کام بھی کرایا ہوا تھا۔ جب پارٹیشن ہوئی تو قتل وغارت گری شروع ہوئی۔ اس کو پیغام دیا گیا کہ تمھاری ایک سوئی بھی جلنے نہیں دیں گے۔ اس سے وہ سخت پریشان تھا۔ دروازے بند کر کے گھر کے اندر بیوی بچوں کے ساتھ بیٹھے رہتے تھے کہ اب کیا کریں۔ بس اپنی موت کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک دن اس کی آنکھ لگ گئی تو دیکھا ایک مرد قلندر کھڑے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں "تم کیوں گھبرا رہے ہو؟

اس نے کہا "میں گھبرایا ہوا اس لئے ہوں کہ میرے بیوی بچے قتل ہو جائیں گے"۔

آپ نے فرمایا "تم بالکل خیریت سے جاؤ گے۔ کوئی چنتا نہیں ہو گی۔ سوئی تک آرام سے اپنے ساتھ لے جاؤ گے"۔ اُس نے پوچھا "آپ کون ہیں؟" فرمایا "مجھے داتا گنج بخش کہتے ہیں"۔ اُس نے کہا "حضور آپ نے اتنی تکلیف کی"۔ آپ نے فرمایا "کیا تم روزانہ میرے پاس دو وقت نہیں آتے تھے، تم نے یہ کام نہیں کئے ہیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ آج جب تمھیں ضرورت پڑ گئی تو میں تمھارے کام نہ آؤں"۔

جب وہ شخص بالکل خیریت اور سلامتی کے ساتھ انڈیا پہنچ گیا، تو اس نے ہندوؤں کی بہت بڑی میٹنگ کال کر کے، کھڑے ہو کر یہ واقع سُنایا۔ اس نے کہا کہ میرا یہاں صحیح سلامت پہنچنا اس طرح ہوا۔ ایک ایک سوئی تک ساتھ لے گیا۔ یہ اخبار میں بھی چھپا تھا۔ میگزین میں بھی چھپا تھا۔

بات کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ جب گناہ کے پردے دل پر چڑھ جائیں تو انسانی کی نوری عقل میں فتور آجاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا کہ "ہر اُمّت کے لئے ایک فتنہ ہے میری اُمت کیلئے بھی ایک فتنہ ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ وہ اس میں

گرفتار نہ ہو جائے اور وہ فتنہ دولت کی حرص ہے۔

چنانچہ آپ دیکھیں کہ اُمّتِ محمدی دولت کی حرص میں بہت زیادہ مبتلا ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ انڈیا میں جن کی کوئی حیثیت نہیں تھی، یہاں اُن کے رنگ ڈھنگ نرالے ہیں۔ وہ یہ مانتے ہی نہیں کہ وہ وہاں کنگھال تھے۔ اور یہ جو طبقہ نکلا ہے، جیسے آپ بھی جانتے ہیں، ان کا وہاں کے اردو اسپیکنگ طبقہ سے کوئی تعلق نہیں۔ میں جانتا ہوں، وہ صاف ستھرے لوگ تھے۔ عبادت گزار تھے۔ اتنی سطح گری ہوئی نہیں تھی۔ یہ نہیں کہ جرائم پیشہ قوم تھی وہاں چھپی ہوئی۔ اِدھر آکے ظاہر ہوئی۔ دولت ہی تو کمائی ہے۔ اب یہ کہ جرائم کے پیشہ کو ایک انڈسٹری بنا دیا۔ انسان بھی مارے جاتے ہیں اور جانور بھی مارے جاتے ہیں۔ قتل بھی کئے جاتے ہیں، سب کچھ ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امن وامان قائم ہے، اور اسی اخبار میں یہ بھی دیا جاتا ہے کہ ۵۶ ڈاکے پڑے ۵۳ ڈاکے پڑے، ۲۶ گاڑیاں چھینی گئیں۔ یعنی اخبار پڑھنے سے دماغ میں ایک الجھن پیدا ہوتی ہے۔

انسان جائے تو کدھر جائے۔ کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ اب تک کچھ لے کر گیا ہے۔ یا کسی کی قبر ائیر کنڈیشنڈ ہوتی ہے۔ مجھے آپ بتائیے، میں نہیں سمجھتا۔ قبر میں تو بات ہی اور ہے، وہاں

بڑے سے بڑا بادشاہ یا وزیر جب قدم رکھتا ہے اور اس پر مٹی ڈالی جاتی ہے، تو منکر نکیر آموجود ہوتے ہیں۔ اور عذاب قبر ایسی چیز ہے کہ مُردہ کہتا ہے کہ "اے غافل انسان جو باہر ہو، اگر تجھے یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں تجھے کیا پیش آنا ہے تو خوف کے مارے تیرا گوشت نیچے گرنے لگ جائے گا۔"

گنہگار کی قبر کے جو پاٹ ہیں وہ ستر ستر میل جاتے ہیں اور پھر مُردے کے جسم سے آکے ملتے ہیں اور جو نیک اور پرہیز گار ہے، جس نے دُنیا اور اپنے آپ کو حقیر سمجھا۔ جو اس کو ملا اس سے اپنی ضرورت پوری کر کے باقی اللہ کے نام پر دے دیا، وہ جب قبر میں قدم رکھتا ہے تو جنت کی کھڑکی کھل جاتی ہے۔ ایک عجیب منظر ہوتا ہے۔ میرے قبلہ بھائی جان رحمتہ اللہ علیہ کو عالمِ رویا کی جو پہلی سیر ہوئی تھی، وہ میری والدہ صاحبہ رحمتہ اللہ علیہ نے کروائی تھی۔

میری والدہ صاحبہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے وصال سے تھوڑے دن پہلے بتایا تھا کہ "میرا وقت قریب ہے۔" والد صاحب نے حیران ہو کر فرمایا تھا کہ "آپ ماشاءاللہ اتنی تندرست ہیں۔" لیکن تھوڑے دن کے بعد والدہ صاحبہ کی طبیعت خراب ہو گئی تو والد صاحب نے ایک اینگلو انڈین لیڈی ڈاکٹر کو فون کیا اور وہ بھاگی ہوئی آئیں۔ انھوں نے Examine (معائنہ) کیا اور کہا۔

"She is joking" (یہ مذاق کر رہی ہیں)

والد صاحب نے فرمایا۔ اچھا، اور پھر والدہ صاحبہ کی طرف رجوع ہوئے۔ والدہ صاحبہ نے پھر فرمایا کہ "میرا وقت قریب آگیا ہے۔"

ہم بچے اسکول گئے ہوئے تھے، جب والد صاحب قبلہ نے یہ اندازہ لگا لیا کہ معاملہ سنگین ہے، تو والدہ صاحبہ کے پاس آئے اور فرمایا کہ کیا بات ہے؟ والدہ محترمہ نے فرمایا "یہ نہلانے والی جو ہوتی ہیں نا، یہ بڑی بے دردی سے نہلاتی ہیں۔ جسم کا کوئی حصّہ خشک رہ جاتا ہے، میں نے ایک غسل لینا ہے۔"

بہر حال سب پریشان تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ گھر میں والدہ صاحبہ کا دستور تھا کہ ہر بچے کے سرہانے اپنے مقررّہ وظائف وغیرہ پڑھتی تھیں، ایک دن ایک بچے کے سرہانے، دوسرے دن دوسرے بچے کے سرہانے، پھر دُعا مانگتی تھیں۔ ہمارے ساتھ ایسی تھیں جیسے بڑی بہن۔

گھر میں چکّی خود پیستی تھیں۔ فرمایا کرتی تھیں کہ جو عورت چکّی پیسے اس کو کوئی مرض نہیں لگتا۔ آپ ہنڈیا کو بھی کسی نوکر یا خانساماں کو ہاتھ لگانے نہیں دیتی تھیں۔ فرمایا کرتی تھیں کہ جب نوکر کا ہاتھ لگ جاتا ہے تو ہنڈیا سے برکت اُٹھ جاتی ہے۔ آپ درود

شریف پڑھتی جاتیں اور ہنڈیا اور روٹیاں پکاتی جاتی تھیں۔ ایک دفعہ دھوبن نے بہت کوشش کی کہ اُن کے کپڑے مل جائیں، مگر والدہ صاحبہ نہیں مانیں۔ فرمایا "عورت کا کپڑا گھر سے باہر نہیں نکلتا۔"

خیر آپ فرماتی رہیں کہ میرا وقت قریب ہے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ "میں ابھی تانگہ بھیج کر بچوں کو اسکول سے بُلواتا ہوں"، آپ نے فرمایا کہ "اگر آپ بُلوائیں گے بھی تو میں دیکھوں گی نہیں اُن کو۔" والد صاحب نے پوچھا کیوں؟ فرمانے لگیں "میں نے اُن کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔ اب ان کا اللہ نگہبان ہے۔ میرا معاملہ آپ سے ہے۔ میری جنت آپ کے قدموں میں ہے۔ آپ مجھے بخش دیں، میری منزل آ پہنچی ہے۔"

اس سے والد صاحب کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آپ نے فرمایا "آپ نے میری بڑی خدمت کی ہے۔ میں آپ سے بہت راضی ہوں، آپ بھی مجھے بخش دیں۔"

انہوں نے کہا "میں نے بھی آپ کو معاف کیا۔" اس کے بعد سورۂ یٰسین پڑھی اور آخری آیت تُرْجَعُوْنَ پر آرام سے جان دے دی۔

میں نے اتنا نُورانی چہرہ عورتوں میں نہیں دیکھا۔ جب گلاب

کے پھول ڈالے گئے، تو ان کا رنگ اور گلاب کے رنگ ایک جیسے تھے۔ وہ جب بھی کہیں دوسری جگہ جاتیں تو رات کے اندھیرے میں نکلتیں۔ چنانچہ ان کا جنازہ جو تھا، وہ مغرب کے بعد اندھیرے میں اُٹھایا گیا۔ جنازے کے جلوس کا ایک سِرا ہمارے محلہ میں تھا تو ڈیڑھ دو میل دُور دوسرا سرا تھا، حالانکہ ہم نے کسی کو اطلاع نہیں دی تھی۔

تو میں کہہ رہا تھا کہ قبلہ بھائی جان رحمتہ اللہ علیہ کو انھوں نے عالمِ رویاء کی سیر کرائی تھی۔ والدہ صاحبہ کا ایک بڑا شغل اور بھی ہوتا تھا۔ جب افسران کی بیویاں آتیں اور دُنیاوی باتیں کرتیں تو آپ کہتیں کہ "بہن آپ نے کلامِ پاک بھی پڑھا ہے" ؟ تو وہ اکثر کہتیں کہ "معاف کرنا نہیں"۔ اس پر والدہ صاحبہ فرماتیں کہ "جب تمھیں وقت ملے تو میرے پاس آجایا کرو۔ میں پڑھاؤں گی"۔ تو سب افسروں کی بیویاں اُن کی شاگرد تھیں۔

خیر، قبلہ بھائی جان کو انھوں نے خواب میں آکے کہا کہ "دیکھو، میں تمھارے والد صاحب کے پاس دو مرتبہ آئی، لیکن دونوں مرتبہ کوئی نہ کوئی بچہ رونے لگتا اور وہ جاگ پڑتے تھے۔ اور میں بڑے ضروری کام سے آئی ہوں، وہ یہ ہے کہ تمھارے ماموں نے امرتسر میں میرے پاس کچھ پیسے رکھوائے تھے، میرے ساتھ آؤ"۔ انھوں نے

اسٹور روم کھولا، ایک بکس لیا، اس کی چابی لگائی، سائیڈ بکس میں پیسے پڑے ہوئے تھے۔ فرمایا "تمھارے ماموں نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ آپ رکھیں، اس وقت تک نہ دیں جب تک میں نہ کہوں، پیسے یہ پڑے ہوئے ہیں۔" پھر فرمانے لگیں کہ "آؤ بیٹے میرے ساتھ، میں تمھیں اپنی جگہ دکھاؤں۔"

آپ رحمتہ اللہ علیہ ساتھ گئے، جب قبر دیکھی تو رونے لگ گئے، فرمانے لگیں "بیٹے، میں اسی میں رہتی ہوں۔ تم کیوں گھبرا رہے ہو، میں تو جا رہی ہوں، آؤ میرے ساتھ۔" ادھر ایک کھڑکی تھی اس میں دیکھا تو ایک عجیب منظر نظر آیا، جہاں بچے قرآن پاک پڑھ رہے تھے۔ فرمایا "اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی مجھے یہ خدمت سپرد کی ہے۔"

تو عزیزانِ من! بوگ اچھی ہے تو فصل اچھی ہے۔ اگر بیج ٹھیک ہے تو پودا بھی ٹھیک آئے گا۔ اس کی پرورش کرنے میں بھی مزا آتا ہے، خوشبو بھی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ہر شخص ہم سے دعا کراتا ہے کہ لڑکا ہو، مگر کسی نے مجھے یہ نہیں کہا کہ حضور یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ نیک صالح، بلند نصیب اور درازیٔ عمر والا بچہ دے جو ہم میاں بیوی کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنے۔ بس صرف لڑکا۔ ہم بھی کہتے ہیں یا اللہ لڑکا دے۔

جب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بچے کی عادتیں دیکھتے

ہیں تو آکر روتے ہیں۔ میں اُن سے کہتا ہوں کہ ”تم نے جیسے ٹینڈر بھیجا تھا، اس کے مطابق سپلائی ہو رہی ہے، ہم سے تو کوئی گلہ نہ کرو۔ ہم تو اُس کے عاجز بندے ہیں۔ ہمارا کوئی اختیار نہیں، جو مخلوق مانگتی ہے، ہم آگے پیش کر دیتے ہیں۔ بندہ جانے خدا جانے۔ اب یہ آپ کا فرض ہے کہ بچے کو سیدھی راہ پر لگائیں۔ اب آپ اس کی عادتیں درست کریں۔

ہماری قلندرہ صاحبہ ہیں۔ انہوں نے اپنے چار پانچ پوتے اور نواسیوں کو حفظِ قرآن پر لگایا ہوا ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کون سی کمی ہے، اللہ تعالیٰ نے خوب نوازا ہے۔ مگر طلب یہ ہے کہ بچوں کو حفظ کرائیں۔ لڑکیوں کو بھی، لڑکوں کو بھی۔ جہاں اور خرچے ہوتے ہیں، ڈھائی تین ہزار روپے مولوی صاحب کو دے دیئے، تو کوئی بڑی بات تو نہیں ہے، کیا خیال ہے۔ جو چیز حاصل ہو رہی ہے، آگے جا کے پھل دے گی۔

اگر حافظِ قرآن با عمل ہے تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو یہ اختیارات دیئے ہیں کہ دس آدمی جن پر دوزخ واجب ہے، انہیں وہ ساتھ لے جائے گا۔ اور فقیروں کی یہ شان ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اُن کو کہے گا کہ دُنیا والے تمھیں حقیر سمجھتے تھے، لیکن جس نے تجھے ایک ٹکڑا بھی رزق کھلایا ہے، اس کو ڈھونڈ نکالو، اور اپنے

ساتھ اس کو جنت میں لے جاؤ۔

تو عزیزانِ من! تعلق کی بات ہے۔ حضرت داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے اس ہندو نے تعلق رکھا تھا، وقت پہ کام آیا۔ ماں باپ اگر عبادت کریں۔ بچوں کو پھونکیں، دَم کریں تو پودا ٹھیک اُگتا ہے۔ یہ اللہ کا کلام پڑھ کے پھونکنا، یہ رُوح کی کھاد ہی ہے۔ جب رُوح میں کھاد ہی نہیں ڈالی، تو ظاہر ہے شکایت آتی ہے کہ لڑکا فلاں لڑکی کے ساتھ Involved, ہے۔ یا لڑکی گھر سے بھاگ گئی ہے۔

اب بتائیے کہ فقیر کے پاس کون سی فورس ہے، کون سا لشکر یا رسالے ہیں جو اُن کے پیچھے دوڑا دیں۔ ہم بس دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے، اُن کی پریشانی دُور کر دے۔ اُس وقت اگر کسی کو کہو کہ بھئی خیال کرو، تو وہ کہتا ہے کہ جی ہمارا ایک اصُول ہے ہم بچے کی Psychology (نفسیات) کو Destroy (تباہ) نہیں کرنا چاہتے۔ اس پر ہم کہتے ہیں کہ ہم کیا کریں۔ تم Destroy (تباہ) نہیں کرتے ہم Construct (تعمیر) بھی نہیں کرتے۔

لبعض اوقات ہمارے پاس ایسے ایسے دیوانے خط آتے ہیں کہ میں حیران ہو جاتا ہوں، اس لئے کہ اُن کو خُدا نے سب کچھ دیا ہے، ایسے ایسے دردناک قصے سامنے آتے ہیں۔ اولاد نے ماں باپ کو

آگے لگا یا ہوا ہے۔ لڑکی ہے تو آگے لگا یا ہوا ہے۔ لڑکا ہے تو آگے لگا یا ہوا ہے۔

اب یہ مشکل ہے کہ بچوں کو آپ بھیجیں تو امریکا، کینیڈا اور فرانس اور توقع کریں کہ وہ آپ کی تابعداری ایسی کریں جیسے دیندار بچہ۔ دیکھئے یہ کیسی بات ہے، جَو اور گندم دو متضاد چیزیں ہیں۔ جَو بیجیں گے جَو ہو گا۔ گندم بیجیں گے گندم ہو گا۔

کسی گھر میں چین نہیں۔ تین چار گھرانے تو ایسے ہیں کہ جن کو اُن کی مائیں بسنے نہیں دیتیں۔ یعنی اُن کے ذہن میں آتا ہی نہیں کہ جس دن لڑکی بیاہی گئی ہے، اس دن سے ماں باپ کا گھر اس کے لئے ختم ہوا۔ ہمارے قبیلہ میں وصیت کی جاتی ہے، کہ اب میاں کے گھر سے صرف تمھاری لاش آسکتی ہے۔ ایسے نہ آئیں۔ تو اس کو سمجھ آجاتی ہے کہ یہ تعلیم جو اُن کے پاس ہے، وہ اُن کا زیور ہے۔

اب تو مولوی صاحب کی اتنی بڑی داڑھی، لیکن شاہینہ کا کیس بھی سامنے آیا۔ مولوی صاحب بھی بیان دے رہے ہیں، شاہینہ بھی بیان دے رہی ہے، اور عاصمہ جیلانی بھی بیان دے رہی ہے۔ ایک انٹرنیشنل ایشو بنا ہوا ہے۔

مسلمان میں تو اسلام کی ایک رائی بھی نہیں رہی، ایمان تو

دُور کی بات ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ ان کے چہروں پر کیسی بدصورتی آرہی ہے، ٹی وی آپ دیکھتے نہیں، بڑے بڑے لوگ آتے ہیں، لیکن کسی کے چہرے پر نُور نظر آتا ہے؟

توعزیزانِ من! اپنے بچّوں کی حفاظت کرو۔ کیونکہ بچّہ جب کوئی نیکی کرتا ہے، تو اگر تم اس دُنیا میں بھی ہو، اس کا ثواب تمھیں وہیں پہنچتا ہے۔ لیکن جب وہ گناہ کرتا ہے، تو تمھیں اس کے گناہ وہاں بھی لگتے ہیں۔

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ کہیں جارہے تھے، آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک قبر پر عذاب ہو رہا ہے، خاموش کھڑے رہے، دخل نہیں دیا اور چلے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد واپس ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ اُس شخص کی قبر جنت کا ایک باغ بنا ہوا ہے اور وہ بڑا خوش ہے۔ کہا "بارِالٰہ! جب میں گیا تھا تو اتنا عذاب تھا اور اب!

فرمایا "اے نبی، اے میرے پیغمبر، رُوح اللہ، بات یہ ہے کہ یہ شخص بڑا بدکار تھا اور یہ اس سے بھی زیادہ سزا کا مستحق تھا۔ مگر جب یہ مرا تو کچھ دنوں کے بعد اس کی بیوی نے ایک لڑکے کو جنم دیا۔ کچھ دن قبل سے وہ لڑکا مولوی صاحب کے پاس پڑھنے جارہا ہے۔ جب اس نے اپنی توتلی زبان سے ـــــ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمْ پڑھا تو مجھے حیا آئی کہ زمین پہ اس کا بیٹا بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمْ پڑھ رہا ہے اور میں اس کے باپ کو عذاب دُوں۔ لہٰذا میں نے اس کو معاف کیا۔

اس میں شک نہیں کہ جو رِند ہیں، کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندہ نواز ہے، بالکل ٹھیک ہے۔

وہ جو تقویٰ پہ نہیں ہوتیں دُعائیں مُستجاب!
ہیں کچھ وقت خاص خاص، ہیں کچھ ادائیں خاص خاص

لیکن حرف ہوں گے تو نقطہ لگے گا۔ جو نماز بھی نہ پڑھے، کچھ بھی نہ کرے، نقطہ کہاں لگائیں گے آپ۔ اتنا کچھ کرتے ہیں اور پھر آپ کہتے ہیں کہ یا اللہ! میں نے جو کچھ کیا کچھ بھی نہیں کیا۔ میں عدل نہیں مانگتا، فضل مانگتا۔ تُو اگر عدل کرے گا تو میں مارا جاؤں گا۔ میرا معاملہ فضل سے اور نرمی سے کریں۔

تو انسان جب یہ باتیں ذہن میں رکھتا ہے تو پھر اسے پتہ چلتا ہے کہ تعلق کیا چیز ہے۔ یعنی اچھے ماں باپ کی اولاد ہونے کا کیا فائدہ ہے۔

ایک شخص کا بڑا بھائی جب مرنے لگا، تو اُس نے اُس سے کہا کہ ”بھائی جان! میں تمھیں روز بُلاتا تھا اسی دن کے لئے کہ تم باز آجاؤ۔ آج موت تمھارے سر پہ کھڑی ہے۔“ مرنے والے نے کہا

"میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں کہ اگر میری ماں کے سپرد یہ فیصلہ دے دیا جائے کہ وہ مجھے دوزخ میں بھیجے یا جنت میں، تو تمہارا کیا خیال ہے؟"

چھوٹے بھائی نے جواب دیا، "وہ تو جنّت میں ہی بھیجیں گی۔"

اس پر مرنے والے نے کہا، "یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ میرے ماں باپ سے ستّر گنا زیادہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔" اور یہ کہہ کر اُس نے جان دے دی۔

چھوٹے بھائی نے خواب میں اُن کو دیکھا اور پوچھا کہ کیا معاملہ ہوا؟ کہنے لگا، "وہی بات ہوئی جو آخری وقت میں نے کہی تھی۔"

یہ پری پارٹیشن کے دنوں کی بات ہے کہ میں مُلتان گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک شخص تھا جس کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ اُس کی موت ایسی ہوگی کہ نعوذ باللہ من ذالک دنیا یاد کرے گی۔ مرنے کے بعد جب اس کو نہلا دھلا کر تیار کیا گیا تو تھوڑی دیر بعد مولوی صاحب آئے یہ دیکھنے کہ اس کی شکل مسخ ہوئی ہے یا کہ نہیں۔ جب مولوی میت کے قریب آئے تو دیکھا کہ اس کا چہرہ گلاب کی طرح تھا۔ مولوی تو ویسے بھی بڑے سخت ہوتے ہیں۔ اِدھر دیکھا، اُدھر دیکھا اور ایک طرف ہو گئے۔

جب اس کا جنازہ اُٹھا تو پندرہ بیس عورتیں چھاتی پیٹتی ہوئی

شامل ہوگئیں۔ مولوی صاحب نے پوچھا" اے بیبیو! تم کون ہو۔ چھاتی پیٹنا منع ہے شریعت میں"۔ عورتوں نے کہا" ہمیں مت روکو، ہم بیوہ عورتیں ہیں، ہمارے گھروں کا سارا خرچ یہی شخص دیتا تھا۔ اور کسی کو کانوں کان پتا نہیں ہوتا تھا۔

تو انسان کو چاہیئے کہ علم جہاد میں خود کمائی کرے۔ جو نسل موجود ہے بسکٹ کھانے والی، یہ لوگ بس فاتحہ دلاتے ہیں اور پھر بھول جاتے ہیں۔ دوسری نسل فاتحہ نہیں دلاتی۔ اس لئے کہ جب فاتحہ ہوتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔

When they don't believe, very simple, why should you expect that they will do it.

(جب وہ مانتے ہی نہیں، تو آسان سی بات ہے، آپ اُن سے یہ توقع کیوں رکھتے ہیں کہ وہ ایسا کریں گے؟)

اب تو کمپیوٹر نے اور بھی دنیا کا ستیاناس مار دیا۔ یعنی ولیوں کو چیلنج کرتا ہے۔ وہ یہ بتا دیتا ہے کہ میری طبیعت میں کوئی خرابی ہے۔ میں کام نہیں کر رہا۔ غیب کی باتیں بتاتا ہے۔ ایسے ایسے کہتا ہے۔ بھئی دس پندرہ لاکھ کا کمپیوٹر لے لیں۔ ہمارے وقت میں، آج سے پچاس سال پہلے، شروع میں (کاؤنٹر میٹر) ہوتا تھا کہ جمع تفریق کر سکیں۔ اتنا بھاری ہوتا تھا۔

اب تو تمھارا Calculator (کلکیولیٹر) ہے۔ جیب میں ڈالی ہوئی۔ اور کمپیوٹر ہے، جس میں سارے جہاں کی خبریں ہوتی ہیں۔ تو یہ سب کیا ہے؟

انسان انسان کا گلا کاٹ رہا ہے۔ اس کی وجہ سے انسان کو روزی نہیں مل رہی ہے۔ کیونکہ پچاس آدمی کا کام ایک چھوٹا سا ڈبہ کرتا ہے۔ پچاس آدمی کی روزی تو ماری گئی۔ شور مچاتے ہیں کہ روزی نہیں روزی دو۔ تم جب اس مشین دور کو پروموٹ کرو گے، نافذ کرو گے تو:۔

How can you expect that livelihood would be available.

(کس طرح توقع رکھو گے کہ روزی مہیا ہو گی۔)

عزیزانِ من! ٹیکنالوجی وہ ہوتی ہے، جو انسان کی بہبود کے لئے ہو، اس کو مٹانے کے لئے نہ ہو۔ ایٹمی ٹیکنالوجی کو دیکھ لیجئے۔ اربوں ڈالر، کھربوں روپے اس پر خرچ ہو رہے ہیں۔ دوسری جانب نچلی سطح پر، امریکا کے اندر وہ جو بنچوں پر بیٹھے ہوئے، جو گالیاں نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بھوکے مر رہے ہیں اور باہر کے لوگ آتے ہیں اور نوکریاں حاصل کرتے ہیں۔

وہ خلا میں شٹل بھیج رہے ہیں۔ یہ بڑی بدذات قوم ہے۔ اُن غریبوں کے وہاں جا کر دیکھیں۔ وہ پُلوں کے نیچے رات

گزارتے ہیں۔ یہ جو اپنے آپ کو بہت بڑی قوم کہتے ہیں، وہ برساتی پلوں کے نیچے باسی ٹوس وغیرہ کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو برکتیں دے۔ اپنی حفاظت میں رکھے اور نیک نیتیں عطا فرمائے۔

عزیزانِ من! اس ضمن میں میں آپ کو چند چیزیں بتا رہا ہوں۔ مولائے کائنات رضی اللہ عنہ جو انگوٹھی پہنتے تھے اس پہ کندہ تھا۔ "حَسْبُنَا اللّٰہ"

سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن سے عرض کی کہ میں انگوٹھی پہننا چاہتا ہوں۔ اس پہ کیا لکھوں؟ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "اس پہ لکھو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ" یہ انجیل کی آخری آیت ہے۔

مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچے تو اسی وقت لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھے یہ تسبیح انسان کے ننانوے دُکھ دُور کرتی ہے۔ پھر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا کرے تو اُس کا شکر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پڑھ کر ادا کرے۔

پھر فرمایا کہ جس کا رزق تنگ ہو، برکت نہیں، یا ایسی کوئی

بات ہو، تو وہ کثرت سے استغفار کرے، اللہ تعالیٰ اس کا رزق کھول دیتا ہے۔“

درود شریف جیسا تو کوئی وظیفہ ہی نہیں۔ اور جو شخص کلمۂ تمجید کا ورد کرتا ہے، یعنی جب سُبحَانَ اللّٰہ کہتا ہے تو بیس گناہ اس کے معاف ہوتے ہیں۔ بیس نیکیاں اُس کی لکھی جاتی ہیں۔ جب وہ اَلحَمدُ لِلّٰہ کہتا ہے تو بیس گناہ اُس کے معاف ہوتے ہیں۔ بیس نیکیاں اُس کی لکھی جاتی ہیں۔ جب وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتا ہے، تو بیس گناہ اُس کے معاف ہوتے ہیں، بیس نیکیاں اُس کی لکھی جاتی ہیں۔ جب وہ اَللّٰہُ اَکبَر کہتا ہے، تو بیس گناہ اُس کے معاف ہوتے ہیں، بیس نیکیاں اُس کی لکھی جاتی ہیں۔ پھر جب وہ لَاحَولَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ العَلِیِّ العَظِیمِ کہتا ہے تو اس کے ننانوے غم دُور ہوتے ہیں۔

یہ انڈیا کا واقعہ ہے۔ وہاں ایک صاحب تھے جو وائسرائے کونسل کے ممبر تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ آپ اتنے عرُوج پر پہنچے ہیں، اس کا کیا راز ہے؟ وہ مُسکرائے اور کہنے لگے کہ میں ہر وقت درود شریف کا ورد کرتا ہوں۔ آپ درُود پڑھیں۔ اس لئے کہ جو نہ پڑھے وہ امتی نہیں کیونکہ وہ حق ادا نہیں کرتا۔ امتی ہونے کا حق یہ ہے کہ درُود شریف کثرت سے پڑھے، جس

طرح اللہ کے بندے ہونے کا حق یہ ہے کہ وہ اُس کا ذکر کرتا ہے۔ اور استغفار کرتا رہے۔ حبیب السنان تو بہ کرتا ہے تو اس میں عجز و انکساری آتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عجز و انکساری پیش کرتا ہے۔

یہ پنجاب کا واقعہ ہے۔ کوئی گوشیں ہانک رہا تھا، کوئی کچھ۔ میں نے ایک عالم سے کہا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ”لَاصَلٰوۃَ اِلَّا وُحُضُوْرِ قَلْبْ“ کیا آپ میں سے کوئی بھی ایسا ہے کہ جو یہ کہہ سکتا ہو کہ اس نے نماز اپنے قلب کی پوری حضوری کے ساتھ ادا کی ہے اور کوئی وسوسہ نہ آیا۔ پھر میں نے کہا کہ آپ اپنے بڑے سے بڑے عالم کو لے آئیے، ہم آپ کو اپنا کوئی فقیر سامنے کر دیں گے۔ آپ دیکھیں گے کہ اللہ اکبر کہتے ہی وہ سب چیزیں جو یاد رکھنی ہوتی ہیں، وہ ان میں غرق ہو جائے گا۔ یہ فقیر کی شان ہے۔

یہ پاکستان کی بد قسمتی ہے کہ پیدا تو یہاں ہوئے، زمینیں یہاں، فصلیں یہاں اور ان کی کمائی امریکا میں خرچ کریں، کینیڈا میں اور برطانیہ میں خرچ کریں۔ اور پھر جب وہ لوٹ کر آتے ہیں، تو یہاں کوئی تعاون نہیں کرتا۔ پھر کہتے ہیں حالات صحیح نہیں تھے، واپس چلا گیا۔ پھر فقیروں کی طرح سرگردان، طویل بیروزگاری،

گھروں کے حالات بہت خراب ہیں۔ عورتوں کو بڑی تشویش ہے۔ اُن کے بڑے دُکھ بھرے خط آتے ہیں۔ وہ اس خطرے میں رہتی ہیں کہ پتہ نہیں کس وقت طلاق ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے، آپ کی مُرادیں پوری کر دے، مسلمانانِ عالم پر رحم فرمائے۔ اُمتِ محمدیہ کو پکّا اور سچا مسلمان بنا دے۔ ہمارے پاکستان کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کا بیڑا غرق کر دے۔ اُن کا نام و نشان مٹا دے۔ ہمیں ایسا امیر المومنین عطا فرما جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعتِ مقدسہ کا نفاذ کر دے، اور پاکستان کی اِن گندگیوں کو دُور کر دے۔

اے اللہ! تیری دنیا بڑی تنگ ہے۔ یہ امیر، یہ غریب، اے اللہ! ان کو توفیق دے کہ وہ نماز پڑھ کے تجھ سے معافی مانگیں، اے اللہ! تو ہم سے راضی ہو۔ اے اللہ! یہ ہمارے بچے بچیاں، جو تیری رضا کی خاطر ہمارے حلقہ کی بہبودی کے لئے کوشش کر رہے ہیں اُن کی مُرادیں پوری کر۔ بے روزگاروں کو روزگار عطا کر، قرضداروں کے قرضے اُتار۔ بے اولادوں کو اولادِ صالح عطا فرما۔ بیماروں کو صحت و شفا عطا فرما۔ اے اللہ! تمام دنیا کے مسلمانوں پر رحم فرما۔ ہم پہ رحم فرما۔ ہم آزمائش کے لائق نہیں۔ ہمارے گناہوں کو معاف فرما۔ اے اللہ! کافروں کو ایک دوسرے سے ٹکرا کے پاش پاش

کردے۔ یہودیوں کا بھی بیڑا غرق کردے۔ اے اللہ! کشمیری مسلمانوں کو، فلسطینیوں کو نجات دلا، افغانستان کو نجات دلا۔ فلسطین کے مُسلمانوں کو، کشمیر کے مسلمانوں، سب کو آزادی عطا فرما۔ اے اللہ! جو لوگ بھی یہاں ہیں تو سب کو دیکھ رہا ہے، سب کے دلوں کے حال جانتا ہے، اُن کی دُعائیں قبول فرما اور پنجتن پاک کے صدقے اس مجلس کو قبول فرما۔

(آمین)

سیّدالشہداء سیّدنا حضرت

امام حسینؓ رضی اللہ عنہ

ارشادات

حضرت خواجہ شاہ محمدّ افضل

قادری چشتی (صابری نظامی) قلندری

المعروف "افضل سرکار" رحمۃ اللہ علیہ

یومِ عاشورہ ۱۸ مئی ۱۹۹۷ء

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہِ الکریم

یارب صلّ وسلم دائمًا ابدًا علی حبیبک خیر کل خلقھم

ہزار سال بہ شویم دہن بہ مُشک و گلاب

ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی است

صَلِّ علیٰ مُحَمَّدٍ ، صَلِّ علیٰ نبیّنا

صَلِّ علیٰ مُحَمَّدٍ ، صَلِّ علیٰ شفیعِنا

صَلِّ علیٰ مُحَمَّدٍ ، صَلِّ علیٰ کریمِنا

صَلِّ علیٰ مُحَمَّدٍ ، صَلِّ علیٰ سَنَدِنا

صَلِّ علیٰ مُحَمَّدٍ ، صَلِّ علیٰ رحیمِنا

صَلِّ علیٰ مُحَمَّدٍ ، صَلِّ علیٰ نبیّنا

میری انتہائے نگارش یہی ہے کہ تیرے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

حسبی اللہ ، حسبی اللہ ، حَسُبنا

حسبی اللہ ، حسبی اللہ ، ربّنا

حسبنا اللہ و نعم الوکیل

نعم المولیٰ و نعم المصیر

انتَ حسبی، انتَ ربی، یا خبیر

انتَ نعم الوکیل

کریما بہ بخشائے بر حالِ ما کہ ہستیم اسیرِ کمندِ ہوا

نہ داریم غیر از تو فریاد رس تو ہی عاصیاں را خطا بخش و بس

ہم گناہ گاروں پہ تیری مہربانی چاہیئے!

سب گناہ دھل جائیں گے رحمت کا پانی چاہیئے

عزیزانِ من! اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکیوں اور سعادتوں کی دولت سے مالا مال کر دے۔ (آمین) سب کو دین و دنیا کی نعمتوں سے مالا مال کر دے۔ (آمین) سب کے گھروں میں چین و سُکھ ہو۔ (آمین) سب کے گھروں میں اُن کی اولادیں نیک اور صالح ہوں۔ (آمین) اور ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں۔ (آمین) اور قوم، مذہب و ملّت کی صحیح معنوں میں خدمت کریں۔ (آمین) میرے وہ روحی بچّے اور بچّیاں جو اس

وقت موجود نہیں ہیں، ملک سے باہر ہیں یا ملک کے اندر دوسری جگہ ہیں، مجبوری کی وجہ سے جو اس محفل میں شریک نہیں، اے اللہ اُن پر اور ان کے گھروں پر بارانِ رحمت فرما۔ اُن کو بھی فیضیاب کر، سب کے دُکھوں کو دُور کر (آمین)۔ اے اللہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت پر آج جو وقت آن پڑا ہے، ایسا وقت کبھی نہیں پڑا۔ اے اللہ! تیرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جیسا مسلمانوں کو کافروں نے گھیر لیا تھا، آج ہم وہ مسلمان تو نہیں لیکن کلمہ گو ضرور ہیں۔ ہمیں ساری دُنیا کے کفّار نے اور غیر مذہب کے لوگوں نے گھیر لیا ہے، ہم سانس نہیں لے سکتے، سر نہیں اُٹھا سکتے، ہماری کہیں عزّت نہیں، ہم ذلّت کا شکار ہیں، اپنی کریمی سے ہم پر رحم فرما۔ (آمین)

عزیزانِ من! آج عاشورہ کا دن ہے۔ عاشورہ اس کو اس لئے نہیں کہا جاتا کہ یہ سیّدالشہداء حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی شہادت کا دن ہے۔ مگر محرّم کے مہینے میں اس عاشورہ والے دن بڑے بڑے واقعات رُونما ہوئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی، وہ جنت سے نکالے گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بھی اسی دن ہوا۔ تو اس دن کو کوئی نہ کوئی اہمیت ملتی رہی۔ آخر میں جو اہمیت ملی اس کا جواب نہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیارے نواسوں کی شہادت کا واقعہ بھی اسی دن ہوا۔

عزیزانِ من! میں اس قابل تو نہیں ہوں، لیکن میں اپنے آپ کو

گناہگار اور مجرم سمجھوں گا اگر میں اپنے علم کے مطابق وہ آپ تک نہ پہنچاؤں۔ یہ جو ڈاکہ ڈالنے کی آزادی ہوئی ہے، عزت بھی چھینی جارہی ہے، کاریں بھی چھینی جارہی ہیں، سب کچھ چھینا جارہا ہے، لڑکیوں کو اغوا بھی کیا جارہا ہے، لڑکیوں کو اغوا کر کے بیچا جارہا ہے، کیا کچھ نہیں ہورہا ہے۔ تو آج اس دور میں دین کو بھی یرغمال بنایا گیا ہے۔ آدمی نام سے مسلمان نہیں بنتا میرے پیارو، کام سے مسلمان بنتا ہے اور وہ کس طرح بنتا ہے؟ جب نبوّت کا اعلان ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے زندگی کے ہر شعبہ میں نمونہ بن کے دکھایا حتیٰ کہ جنریلی کی بھی تربیت دی۔ آج اس دور میں جب میں Modern War Science (جدید عسکری سائنس) سے Compare (موازنہ) کرتا ہوں۔ تو حیران ہوتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے جتنی بھی جنگیں لڑیں بالکل وار سائنس کے مطابق Strategy (جنگی حکمتِ عملی) بناتے تھے۔ تو آخر اُس وقت تو یہ سائنس بھی نہیں پڑھائی جاتی تھی۔ اس لئے کہ نبیوں کے اُستاد تو اللہ تعالیٰ خود تھے۔ اُن کو یہ چیزیں، یہ ہدایتیں، یہ رہنمائی، یہ اللہ جلّ شانہ، کی عطا تھیں اور اپنی معزز دلیل کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل فرمائیں اور آپ کو امام الانبیاء کہا اور آپ کو مومنوں کے لئے اسوۂ حسنہ کہا تاکہ کل کو وہ یہ نہ کہیں کہ ہمارے لئے زندگی کا ماڈل کیا ہے؟

Which model should we follow? This is the question, (and) the answer is in the Holy Quran.

دوسری چیز جو ہے اسلام کے ساتھ جو "Gang Rape"

(اجتماعی زیادتی) ہوا، وہ یہ ہے کہ مسٹر لوگ جتنے آئے، کسی نے کوئی کتاب پڑھ لی تھی، کسی نے کوئی۔ باقاعدہ زانوئے ادب تہ نہیں کیا، درس وتدریس حاصل نہیں کی۔ عزیزانِ من، دین کی سند کا جو کورس ہے، اس میں تقریباً بائیس علوم ہیں جو تہ کرنا ہیں۔ حتیٰ کہ Logic جو ہے وہ بھی اس میں ہے جسے منطق کہا جاتا ہے۔ پھر جا کے اس میں یہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے، پھر کلامِ پاک جو ہے، اس کے بارے میں ارشاد ہے "تعقلوا، تفکروا، تدبروا" یعنی عقل سے کام لو، اپنی فکر استعمال کرو اور پھر تدبر کرو۔ تب جا کے ایمان کے موتی نکلیں گے۔ یہ ٹھاٹھیں مار رہا ہے سمندر۔ غرض کہ تمھارے پاس لائن ہو اُن کو ڈھونڈنے کے لئے۔ کیونکہ کلامِ پاک میں ہدایت بھی ملتی ہے اور گمراہی بھی۔ ہدایت اُن لوگوں کو ملتی ہے جن کے بارے میں کلامِ پاک شروع ہوتے ہی فرمایا گیا کہ وہ متقی ہیں، وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ نے اُن کو روزی دی ہے وہ اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اے نبی جو آپ پہ اُترا اور جو پہلوں پہ اُترا ہے، اُن پہ ایمان لے آئیے اور پھر فرمایا۔ "اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ"۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف سے سیدھے راستے پر ہیں۔" وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝" اور یہی وہ لوگ ہیں جو مُراد کو پہنچیں گے۔ اور پھر کافروں کے لئے کہہ دیا۔" اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝" ان کو سمجھانا نہ سمجھانا برابر ہے، یہ مانیں گے نہیں، اِن کو گمراہی میں رہنا ہے۔" اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو اسوۂ حسنہ ٹھہرایا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنی زیادہ نسبت ہوتی ہے اتنا ہی انسان کا مقام بلند ہوتا ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کو جب پیاس لگی تو حضرت ہاجرہ پریشانی کی دوڑ میں لگ گئیں۔ آپ کے قدم مبارک سے اس زمین کو نسبت ہو گئی۔ اور وہ زمین آپ کے حج کے ارکین میں شامل ہو گئی۔ جہاں دوڑ لگانی پڑتی ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام قربانی کر رہے تھے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا" اے میرے والد، آنکھوں پر پٹی باندھ لیجئے کہیں ایسا نہ ہو کہ محبتِ پدری جوش میں آئے اور احکامِ الٰہی کی تعمیل میں فرق پڑ جائے"۔ آپ نے پٹی باندھ لی اور جب زور سے چھری چلانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا" اے خلیل، اے میرے دوست، سچ کر دکھایا تُو نے اپنا خواب۔ بس اب اسماعیل کی قربانی (کے بدلے) جنت سے مینڈھا آیا ہوا ہے، اس کی قربانی دے"۔ اس نسبت کی کی وجہ سے منیٰ میں آج تک قربانی کرنی پڑتی ہے۔ کیوں؟ ان نسبتوں کی وجہ سے۔ عرفات میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔ اس سے جو مقام حاصل ہوا، حج کا رکن بن گیا۔ میرے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انسؓ کے یہاں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا تناول کیا، پھر اس کے بعد دستر خوان سے ہی ہاتھ پونچھ لئے۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر ہم نے اس دستر خوان کو دھویا نہیں۔ جب اس کو دھونے کی ضرورت پڑتی تو ہم اس کو آگ میں ڈال دیتے اور اس کے بعد

نکالتے تو یہ دُھلا ہوا ہوتا"، جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے جسم مُبارک سے نسبت ہو جائے اُسے آگ کیسے جلائے، بات سمجھ کی ہے۔ مسٹر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئے گی۔ آج ہر اِک نے دین کا اُتنا حصّہ پکڑا ہوا ہے جو اُس کو سوٹ کرتا ہے۔ ایسی بات نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "دین میں داخل ہو تو پوری طرح ہو"، کسی نے تمھیں اختیار نہیں دیا ہوا ہے کہ کنٹریکٹ سائن کرنے کے بعد جو مرضی ہیں آئے وہ Clause Omit کر دو (وہ دفعہ نکال دو) پھر تم چھوڑ دو، نکل جاؤ، مردود ہو جاؤ، اور ارتداد کی سزا واجب القتل ہے۔ اس میں، مَیں آپ کو ایک چھوٹا نکتہ سمجھاتا ہوں، کیونکہ آپ کو بھی مسٹر سے یا (Foreigner) (غیر ملکی) سے پالا پڑتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام، جبر سے مسلمان کرتا ہے۔ ایسی بات نہیں ہم جبر سے مسلمان نہیں کرتے۔ لیکن ایک دفعہ کوئی مسلمان ہو جائے تو اُس کو جبر سے مسلمان رکھتے ہیں۔ جیسے تمھاری مملکت میں کوئی باغی ہو جاتا ہے، تو تم دو آدمیوں کو پکڑنے کے لئے پوری پلاٹون بھیج دیتے ہو۔ یہ کیوں؟ تو اللہ کے باغی کے لئے کچھ نہ کیا جائے؟ What is this nonsense? ہم جبر کر کے کسی کو مسلمان نہیں کرتے ہیں۔ جب حملے ہوتے تھے، تو اُس وقت بھی کہا جاتا تھا اگر تم اپنے مذہب پر چلتے ہو تو رہو۔ اس صورت میں تم ذمّی کہلاؤ گے اور ذمّی کی مد میں جزیہ ٹیکس دینا پڑے گا۔ وہ کیوں؟ اس لئے کہ تمھاری جان، مال، عزّت کی ہر صورت حفاظت کی جا سکے۔ انہی خطرات سے بچانا ہے۔ باقی تم کہیں رہو، تمھاری

مرضی۔ ہاں مسلمان ہونے کے بعد اگر کوئی باغی ہو تو اس سے نمٹا جائے گا۔ کیونکہ اس طرح اگر (Allow) کر دیا جائے تو دس پندرہ سال میں تو کوئی مسلمان نظر نہیں آئے گا، کیونکہ کسی کے پاس اپنی دینی تعلیم ہے ہی نہیں۔ آپ ایک وہابی یا غلط عقیدہ کے انسان یا قادیانی کے پاس بیٹھیں تو آپ اُن کی جو باتیں سُنیں گے، اگر آپ میں علم نہیں ہوگا تو آپ اس طرح بہہ جائیں گے جس طرح تنکا پانی میں بہتا ہے۔ تو حقیقت یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا کہ " میں تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک کلام پاک اور ایک میرے اہلِ بیت"، کلام پاک میں ہدایت اور نُور ہے اور میرے اہلِ بیت میں نُور بھی اور ہدایت بھی ہے۔ اور اگر تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑ لو گے، پھر تو تم گمراہ نہیں ہو گے"۔ بعض دفعہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ فرمایا گیا ہے " میں تمھارے درمیان قرآن پاک اور سُنّت چھوڑے جا رہا ہوں"۔ ٹھیک ہے۔ دیکھئے کسی چیز کو سمجھنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ Direct (بلاواسطہ) یا Indirect (بالواسطہ) یہ جو میں نے پہلے کہا یہ تو Direct (بلاواسطہ) تھا سُنّت Indirect (بالواسطہ) ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت میں بہترین نمونہ جو دکھاتا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے اہل بیت میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے گھرانہ میں سخاوت ختم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے گھرانہ میں عبادت ختم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے گھرانہ میں شجاعت ختم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق ارشاد ہے کہ جب سلطنت قائم ہو گئی اسلام

مدینہ میں تو مالِ غنیمت آتا تھا۔ (Kingdom was established) کی فتوحات بھی آئیں۔ بڑے بادشاہ نے جتنی اپنی پوری سلطنت کے دور میں سخاوت کی ہو، ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلّم وہ ایک دن میں کر دیتے تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سخاوت کا عالم تھا اور فرماتے تھے، "میں گوارا نہیں کروں گا کہ یہ مالِ غنیمت تین دن تک باقی رہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی اولادیں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور من نور اللہ تھے۔ یہ جو چارتن تھے یہ نور من نور اللہ من نور اللہ تھے۔ یہ بھی نور تھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نوُر تھے اور یہ اُن سے تخلیق ہوئے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی عملی زندگی میں یہ ثابت کر دیا کہ انھیں جاہ و جلال کی ضرورت تھی نا پیسہ یا دولت کی۔ نہ کسی اور چیز کی حرص تھی۔ اگر انھیں کوئی پرواہ تھی تو وہ یہ تھی کہ ہمارے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلّم کا دین سلامت رہے۔ بے شک اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی ہمیں دینا پڑے۔

میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں کہ کیا کوئی خود تخت و تاج چھوڑتا ہے؟ کبھی بھی نہیں۔ لیکن حضرت امام حسنؓ نے جب دیکھا کہ لشکر آمنے سامنے ہیں، تو آپ نے یہ گوارا نہیں کیا کہ مسلمانوں کا خوُن مسلمان ہی بہائے حالانکہ آپ کو یہ معاملہ پبلک کو پیش کرنا تھا۔ اسی پبلک میں منافق بھی تھے۔ اگر آپ کے ساتھ دس فیصد تھے۔ اسّی فیصد یا نوّے فیصد منافق بھی تھے، لیکن یہ سب جانتے ہوئے بھی امیر معاویہ نے آپؓ سے ملاقات کی۔ آپؓ نے معاہدہ کی جو شرائط پیش کیں اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جب تُو فوت ہو گیے اس

کے بعد خلافت دوبارہ قائم ہو جائے گی اور میں واپس آجاؤں گا۔ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی تو تھا کہ خلافت جو ہے وہ اہل بیت کی ملکیت نہیں ہے۔ دوسرا کوئی دے تو اور بات ہے۔ چنانچہ یہ ہوا کہ آپ پر طعن و تشنیع ہوئی کہ ان کے دس آدمی تھے۔ لیکن انہوں نے یہ نہیں جانا کہ نوّے فیصد بے ایمان بھی تھے۔ اور اگر اس وقت قتل و غارت کا بازار گرم ہو جاتا تو عورتوں کی عزّت پہ حملہ ہوتا۔ لیکن ایک عجیب و غریب بات ہے۔ جیسے کہتے ہیں "خدا واسطے کا بَیر" خدا واسطے کا بیر یا للّٰہی بغض۔ ماسوائے چند نفوسِ قدسیہ کے، اہلِ بیت کے خلاف لوگوں کے دلوں میں بڑا بُغض تھا انہیں خطرہ یہ تھا کہ کہیں خلافت اس خاندان میں نہ رہے۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم یہ اوپر جا کے عبد مناف کی دو لڑیاں ہیں۔ یعنی ان میں قرابت داری تھی۔ چنانچہ اس کے اندر بھی جوڑ توڑ ہوئے تھے۔ مگر زیادہ مصیبت یہودیوں نے، منافقوں نے، خارجیوں نے پیدا کی اور اپنے فرقے کھڑے کر دیتے کہ وہ اندر اندر اسلام کی جڑوں کو کاٹتے گئے۔ وہ ایک گیم تھا۔ ایک مقصد تھا۔ امیر معاویہ نے خلافت تو کیا لوٹانی تھی، انہوں نے اپنی زندگی ہی میں یزید کو اپنا ولی عہد بنا دیا۔ اور جب امیر معاویہ فوت ہو گئے تو یزید نے اسی وقت گھوڑے دوڑا دیئے۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہا کہ آؤ میری بیعت کرو۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ فرما کر بیعت سے انکار کر دیا کہ ایک فاسق و فاجر کے ہاتھ پہ بیعت نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ بھی یہی ہے کہ ایک فاسق و فاجر مولوی کے پیچھے نماز نہیں ہو

سکتی۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ فاسق و فاجر کی کوئی تعریف کرتا ہے تو عرش بریں بھی لرز جاتا ہے۔ آج یہ فیشن ہے کہ جانتے ہیں کہ چور ہے، ڈاکو ہے، شرابی ہے۔ لیکن کہیں گے "جناب آپ کی کیا بات ہے۔ آپ کا دم سلامت ہے"۔ تو حالت یہ ہے اور پانچ وقت کی نماز کی داد دے رہے ہیں اور وہ نماز جو ہے وہ کون سے کنوئیں میں جا کے گرے گی، ایسا کیوں ہے؟ یہ بات ہے کہ ہم نے طوطے کی طرح "در ایں چہ شک" سیکھ لی ہے۔

کہانی یہ ہے کہ ایک طوطا تھا۔ اس کے مالک نے اس کو سکھا دیا تھا کہ کوئی بات بھی ہو "در ایں چہ شک" یعنی اس میں کیا شک ہے بولا کرو۔ ایک شخص خریدنے جب آیا تو اس نے پوچھا کہ یہ طوطا کیسا ہے۔ مالک نے کہا "جی یہ طوطا دانشمند ہے، یقین نہ آئے تو اس سے پوچھ لیں"۔ اس نے جب پوچھا تو طوطے نے کہا "در ایں چہ شک"۔ وہ خوش ہوا۔ پیسے دیئے، لے گیا گھر۔ "در ایں چہ شک" ہی سیکھا تھا، تو اس کے گھر میں جب چوری ہوئی تو وہ پنجرہ میں بیٹھا رہا۔ کیونکہ "در ایں چہ شک" کے آگے اگر کچھ سیکھا ہوتا تو شور مچاتا۔ جب مالک آیا اور اس نے دیکھا کہ چوری ہوئی ہے تو طوطے سے کہنے لگا "الو کے چرخے، چوری ہوتی رہی اور تم نے شور بھی نہیں مچایا۔ کیا تو چوری پہ خوش تھا؟" تو طوطے نے جواب دیا۔ "در ایں چہ شک"، اس نے اُتار کے اس کی گردن مروڑ دی۔ تو یہ "در ایں چہ شک"، والا اگر اسلام ہے، تعلیم ہے تو پھر جہاں کہیں بھی ایک لچھے دار تقریر آپ نے سُنی، یا آپ نے شیعاؤں کے ذاکرین جو ہیں، اُن کا

ذکر سُنا، تو اگر آپ کی بھی صحیح تعلیم نہ ہو تو آپ بھی طوطے کی طرح "در ایں چہ شک" کہہ کے دیکھتے رہیں گے۔ آپ اندازہ کریں۔ میں ایک دفعہ مری گیا ہوا تھا۔ اُن دنوں وہاں میرے کافی کلاس فیلو لگے ہوئے تھے، اُن میں ایک کرنل تھا۔ شام کو ہم دونوں روڈ پر ٹہلنے نکلے۔ اتنے میں "یا حسینؑ" کی آوازیں آنے لگیں۔ ہم ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ آگے ایک گیٹ تھا اور وہ لوگ جب باہر نکلے تو تعفن اور بدبو پھیل گئی۔ میں نے پوچھا "یہ کیا بات ہے۔ مُنہ سے یا حسین علیہ السلام اور اتنی بدبو؟" وہ ہنس پڑا، کہنے لگا "یہ لوگ کھاتے بہت ہیں۔ پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے، اوپر سے مارتے ہیں ہاتھ، تو کچھ خرابی پیدا ہونی ہی ہوتی ہے۔ تعفن اور بدبو پھیل رہی ہے۔ یہ اپنے آپ کو شیعانِ علیؓ کہتے ہیں۔"

پھر مجھ سے کہنے لگا "آپ کو شاید پتہ نہیں۔ ہر ایک کے Wages (اُجرت) مقرر ہیں۔ جو چھریوں والے ہیں وہ فی کس دس روپے ہیں اور چھریوں کے بغیر جو کُوٹتا ہے اس کے پانچ روپے ہیں۔ اس طرح کر کے وہ اپنا روز بنہ لیتے ہیں یعنی کہ ایک مذاق بنا دیا ہے۔"

خیر جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کیا تو یزید سمجھ گیا کہ میری اب خلافت ختم ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، کہ خلافت تیس سال اور چھ سات مہینے رہے گی، اس کے بعد ملوکیت شروع ہو گی۔ پھر فرمایا۔ اس کے بعد ظلم بازی شروع ہو گی، بربادئ دین تک، یعنی دینِ اسلام ابھی باقی ہے۔

حضرت امام حسن عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمۃ الزھرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ اور ان سے چھوٹے جو تھے وہ سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ دونوں نبی کے نور العین تھے۔ علیؓ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے۔ چین تھے اور دیدِ بتول رضی اللہ عنہا تھے۔ ایک کو زہر دیا گیا تو انھوں نے اسلام کی خاطر جامِ شہادت نوش کر لیا۔ دوسرے نے معرکۂ کربلا میں جامِ شہادت نوش کیا۔ انہوں نے خنجر کے نیچے اپنا سر کٹا کے شہادت کا جام نوش فرمایا۔ دونوں نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟ اپنے نانا جان (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دینِ اسلام کو بچانے کے لئے، اس کی عظمت کو بچانے کے لئے اور اس کا جھنڈا بلند رکھنے کے لئے۔ ورنہ عزیزانِ من! میں نے بڑے بڑے مولوی دیکھے۔ جب اُن کو پتہ چلتا ہے کہ دس آدمی لاٹھیاں لے کر آرہے ہیں فلاں بات کے لئے، تو وہ بیس آدمی اکٹھے کرتا ہے کہ میری صلح کرادو، میں نے ایسا نہیں کہا تھا، مکر جاتا ہے۔ انکار کرتا ہے کہ میں نے ایسا نہیں کہا تھا۔

جب یہ صورت ہوئی تو یزید نے کہا کہ کوئی ایسی صورت پیدا کرو کہ میں مدینے شریف میں حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو قابو کروں۔ لیکن آپ کو علم ہو چکا تھا آپ پہلے ہی مکہ شریف چلے گئے اور خاموشی سے زندگی بسر کرنے لگے۔ اپنے بھائی کا صدمہ تھا۔ آپ نے کوفہ کے لوگوں کو دیکھ لیا تھا جن کی وجہ سے مولائے کائنات دار الخلافہ بدل کے کوفہ لے گئے تھے، ایک تو یہ وجہ تھی۔ دوسری وجہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا خون تھا۔ آپ نہیں چاہتے

تھے کہ حرمین شریفین میں خون کا ایک قطرہ بھی بہے۔ اسی لئے آپ نے یہ سوچا کہ آیندہ کوئی ایسی بات نہ ہو، تاکہ اس کا تقدس برقرار رہے۔ اب جیسا جس کی فکر ہے۔ اگر نوری فکر ہے تو وہ دوسروں سے مختلف ہے۔ اگر وہ سوچے گا تو مختلف سوچے گا تاکہ عدل وانصاف سے کسی مظلوم کا فیصلہ ہو۔ خیر یہ خبیث پیچھے لگا رہا، اس لئے کہ وہ سمجھتا تھا کہ جب تک میں ان کا قلع قمع نہیں کروں گا، معاملہ ختم نہیں ہوگا۔

کوفہ کے لوگوں نے خط پہ خط لکھنا شروع کئے۔ یہ میں پوری تفصیل کے ساتھ نہیں کر رہا۔ اس لئے کہ وقت نہیں ہے۔

I am summing up the whole affair as I will not go through unnecessary details.

کوئی بارہ ہزار خط کوفے سے آئے جن کا بنیادی موضوع یہ تھا کہ دین کا سوال ہے اور ہمیں یزید خبیث کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے نہیں بچایا تو کل قیامت کے دن ہم آپ کا دامن پکڑلیں گے اور آپ کے نانا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے فریاد کریں گے۔ اب آپ میں خون تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، نور بھی وہی تھا۔

آپ نے خطوط پڑھے اور پڑھنے کے بعد آپ نے کہا کہ جلد بازی میں کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہیئے۔ جو چیزیں ہیں اُن کی پہلے تصدیق کر لینی چاہیئے۔ چنانچہ آپ نے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کو بھیجا کہ جا کے حالات کا جائزہ لے کہ کیسے ہیں۔ جب حضرت مسلم بن عقیل وہاں پہنچے تو

لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے اور اُن کے ہاتھ میں بیعت ہونا شروع ہو گئے۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ آپ نے امام عالی مقام کو خط لکھا کہ "لوگ تو یہاں بے تاب ہیں اور آپ جلدی کیجئے اور جلدی آجائیے"۔ کوئی بارہ ہزار کے قریب آدمی بیعت ہو چکے تھے۔ ہنوز یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا، خط جا چکا تھا۔ اتنے میں اس خبیث کو پتہ لگ گیا۔ اُس نے ابن زیاد جو گورنر تھا اس کو کہا۔ مسلم بن عقیل کو ڈھونڈو کہاں ہیں اور اُن کو فوراً قتل کر دو۔ آپ اپنے دو بچے بھی ساتھ لے گئے تھے۔

خیر جب یہ بات ہوئی تو آہستہ آہستہ، رفتہ رفتہ سب نے سُن لی۔ کیونکہ شیعہ جو تھے، جو اپنے آپ کو شیعانِ علی کہتے تھے، اُن کو کرنا وہی تھا جو اُن کا اصول تھا۔ حتیٰ کہ چار ہزار آدمی رہ گئے۔ آپ نے کہا چلو غنیمت ہے، کوئی بات نہیں"۔ جب شام ہوئی تو آپ کے پاس کل تیس آدمی رہ گئے آپ بہت پریشان ہوئے۔ جب آپ اُٹھے تو آپ کے ساتھ ایک آدمی بھی نہ تھا اور آپ اپنے آپ کو بہت تنہا محسوس کر رہے تھے۔ کوئی شخص پناہ دینے کو تیار نہیں تھا۔

مسلم بن عقیل سخت پیاسے تھے۔ آپ نے ایک عورت کا دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ کہنے لگی کون ہے؟۔ آپ نے کہا "میں مسافر ہوں، پیاس سے حلق خشک ہے"۔ کہا اندر آئیے۔ آپ نے کہا "میں آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں"۔ وہ عورت بہت خوش ہوئی۔ بہت ہی ٹھنڈا شربت پیش کیا اور خاطر کی۔ پھر کہا "آپ کی تو تلاش ہو رہی ہے۔ میرے

بیٹے کو اگر پتہ چل جائے تو وہ آپ کو ٹھکانے لگا دے گا۔ آپ پیچھے والے کمرے میں چلے جائیں"۔ آپ چلے گئے۔ جب اُس کا بیٹا آیا تو اس عورت نے کہا "دیکھو اہلِ بیت پر کیا ظلم ہو رہا ہے، اُن کے لئے کوئی جگہ نہیں کہ جہاں وہ پناہ لے سکیں"۔

بیٹے نے کہا "پھر؟" کہنے لگی "مسلم بن عقیل میرے پاس آئے تھے تو میں نے اُن کو پناہ دے دی ہے۔ پچھلے کمرے میں ہیں"۔ بیٹے نے کہا۔ اچھا، پھر اس نے دوسری صبح جا کے اطلاع دی گورنر ہاؤس میں کہ ملزم (مسلم بن عقیل) میرے گھر میں ہے"۔ گورنر ابنِ زیاد نے فوراً سپاہی بھیجے کہ لے آؤ اسے"۔

جب آمنا سامنا ہوا تو ابنِ زیاد نے دھمکی دینا شروع کی۔ آپ نے کہا "اس کا مجھ پہ کوئی اثر نہیں"۔ جس پر ابن زیاد نے جلادوں کو حکم دیا کہ مسلم کو قصرِ امارت کی چھت پر لے جا کر قتل کر دو۔ آپ نے فرمایا کہ "مجھے اجازت دو کہ میں اپنے قبیلے کے کسی شخص کو وصیت کروں"۔ اجازت ملنے پر آپ نے عمرو بن سعد کو علیحدگی میں بتایا کہ میں نے فلاں شخص سے سات سو درہم قرض لیا ہے، وہ ادا کر دینا۔ قتل کے بعد میری لاش کو دفنا دینا اور کسی کو حضرت امام حسینؓ کے پاس بھیجنا میرے اس پیغام کے ساتھ کہ کوفہ کے لوگوں نے دھوکا کیا ہے۔ آپ ہرگز یہاں نہ آئیں"۔ اس کے بعد حضرت مسلم بن عقیل کو چھت پر لے جا کر بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔

اس سے پہلے حضرت مسلم نے اپنے دونوں بچوں کو قاضی شریح

کے گھر بھیج دیا تھا کہ وہ ان کو کسی طرح بحفاظت مدینہ پہنچا دے۔ لیکن ابنِ زیاد کے حکم پر ان معصوم بچّوں کو بھی شہید کر دیا گیا۔

ادھر جس دن حضرت مسلم کا خط پہنچا تو حضرت امام حسین رضؓ اسے پڑھ کر روانہ ہو گئے تھے۔ اور کل قافلہ جو تھا اس میں بہتر آدمی تھے، اُن میں اہلِ بیت تھے، عورتیں تھیں، بچّے تھے، کچھ بوڑھے تھے، جان نثار تھے۔ ابنِ زیاد کا جو سپہ سالار تھا عمرو بن سعد، اُس نے حُر کو کہا کہ ان کا راستہ روکے۔ حُر کے معنی ہیں آزاد۔ حُر پہنچا سید الشہداء سے باتیں ہوئیں اس نے کہا" اے میرے پیارے آقا (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے نواسے، مجھے یہ سب کچھ معلوم نہیں تھا۔ میرا دل تو چاہتا ہے کہ افہام وتفہیم سے معاملہ طے کریں۔ بات یہ ہے کہ آپ کو جو نقصان پہنچ سکتا ہے، وہ میں نہیں دیکھ سکتا۔ لہٰذا آپ رات کے اندھیرے میں نکل جائیں۔ میں آپ کو اجازت دیتا ہوں"۔ لہٰذا آپ رات کے اندھیرے میں نکل گئے۔ آپ نے پوری رات سفر کیا۔ مگر جب صبح ہوئی تو آپ رضؓ نے اپنے آپ کو وہیں موجود پایا۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ مشیتِ ایزدی ہے۔ آپ رضؓ جانتے بھی تھے۔ کیونکہ جب آپ بچّے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک روز آپ کی گردن کو چوما تھا۔ اُس وقت حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ نے پوچھا تھا" ابا جان، یہ تو اتنا چھوٹا بچہ ہے، آپ اس کی گردن کو چوم رہے ہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم فرمانے لگے" ہاں اس کی وجہ ہے"۔ انھوں نے پوچھا" کیا وجہ ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا" ابھی جبرائیل

یہاں آئے تھے۔ کہہ رہے تھے ”اے حبیب پاک، یہ بچہ جو آپ کو بہت پیارا ہے، اس کی گردن پر آپ کی اُمت خنجر گاڑھ دے گی۔ سر جدا کر دے گی“۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر آپ کی گردن کو بوسہ دیتے تھے۔ یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں تھا۔ آپ کو آپ کی شہادت کا پہلے سے علم ہو چکا تھا۔

چنانچہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام روانہ ہوئے تو اُس وقت اہلِ مکہ نے بڑی منتیں کیں کہا ”حضور آپ ہماری بات سُنیں۔ کوفہ کے لوگوں نے آپ کے والد کو شہید کیا، آپ کے بڑے بھائی کو شہید کیا، اب یہ آپ کو شہید کر دیں گے۔ یہ بڑے بے ایمان لوگ ہیں۔ اپنے آپ کو شیعہ کہتے ہیں۔ یہ ضرور آپ کو دھوکا دیں گے“۔

آپ مسکرائے اور فرمایا ”ہم اپنے قدم اسی طرف اٹھاتے ہیں اور اسی وقت اٹھاتے ہیں۔ جب اللہ کی منشا ہوتی ہے اور جب اللہ کی منشا ہوتی ہے، پھر ہم اپنے قدم پیچھے نہیں لے جا سکتے کیونکہ اس وقت امرِ ربی ہو چکی ہوتی ہے“۔

عمرو بن سعد نے رات کے وقت دونوں لشکروں کے درمیان حضرت امام عالی مقام سے ملاقات کی۔ بات یہ ہے کہ کسی مسئلہ کو بیان کرنا، کسی مسئلہ کو سمجھنا، کسی پہ عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ آپ اس سے غافل نہ تھے کہ کوئی مسلمان اگر کفر کرے تو وہ دوزخ میں جاتا ہے اور یہ کہ مسلمان کے خوُن کی کیا حُرمت ہے، کیا احترام ہے۔ آپ نے آخر

میں کہا کہ ”ہم پہلے تیر نہیں چلائیں گے“ اتنی مشکل ہوتے ہوئے بھی آپ نے کہا، ہم پہلے تیر نہیں چلائیں گے۔ اس کے بعد ابنِ سعد نے ابنِ زیاد کو لکھا کہ وہ یہ شرائط پیش کر رہے ہیں۔ یا تو تم مجھے واپس چلے جانے دو جہاں سے میں آیا ہوں۔ یا نہیں تو مجھے ملک کے کسی سرحدی حصّے میں جانے دو، میں وہاں اسلام کے لئے لڑوں گا اور جہاد کروں گا اور اگر یہ دونوں منظور نہیں تو پھر مجھے یزید سے براہِ راست بات کرادو In Between کوئی نہ آئے۔“

اب ابنِ زیاد سمجھ گیا کہ اس کے بہت سے رشتہ دار مارے جائیں گے۔ کیوں کہ خط وغیرہ جو برآمد ہوں گے، وہ تو انہی کے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کتنی باتیں اٹھیں گی۔ ابنِ زیاد نے کہا ”نہیں، اس کو کہو کہ جب تک یہ ابنِ زیاد ہے یہاں، یہاں یذید کی بیعت کرو۔“ آپ نے فرمایا۔ ”میں اُس خبیث کے ہاتھوں پر بیعت نہیں کرتا۔“

ابنِ زیاد نے پھر اپنی ایک Strategy (حکمتِ عملی) تیار کی۔ کہ نہرِ فرات کو بلاک کر دیا جائے اور ایک بُوند بھی پانی نہ دیا جائے، ایک بُوند بھی نہیں۔“ عجیب شان یہ تھی کہ اس کے گھوڑے تو پانی پیٹ بھر کے پیئیں۔ اور وہاں معصوم بچّے کے لئے پانی مانگا تو بچّے کو تیر مارا گیا کہ یہ لو پانی۔ اور جب خوُن ہوا تو حضرت امام حسینؓ نے وہ خون ہاتھ میں لے کر کہا ”اے ظالمو! میرا شکوہ تم ہی سے ہے۔“ اور وہ خون اُچھال دیا۔

پھر جو کچھ ہوا شہزادوں اور اہلِ بیت کے ساتھ وہ ایک ایسا درد ناک سانحہ ہے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ یکے بعد دیگرے شہزادے جو تھے وہاں، وہ میدان میں جانے کے لئے آپ سے اجازت لینے آئے۔ آپ کے بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام نے وصال کے وقت کہا تھا "اے حسین علیہ السلام! یہ میرا بیٹا ہے قاسم، اس کا خیال رکھنا۔ تو جب حضرت قاسم رضی اللہ عنہ نے آپ کے سامنے آ کے کہا کہ میں بھی شہادت کے لئے جانا چاہتا ہوں تو اس وقت آپ رو پڑے اور فرمایا "تم میرے بھائی کی نشانی ہو اور تمھیں انھوں نے میرے سپرد کیا تھا، تمہیں میں کیسے اجازت دے دوں"۔ اسی طرح دوسرے بچے آئے اور بولے کہ "ماموں جان! ہمیں بھی اجازت دے دیجئے"، تو آپؑ نے فرمایا "میں اپنی بہن کا گلشن کیسے برباد کر دوں بیٹے!" بہن نے کہا "بھائی یہ زیادتی نہ کرو۔ نانا جان (صلی اللہ علیہ وسلّم) اور اپنی والدہ کو کیا منہ دکھانا ہے قیامت والے دن۔ ان کو قربان ہونے دو"۔ تو بہت انھوں نے تقاضے کئے۔ چنانچہ وہ دونوں شہزادے میدان کی طرف گئے۔ اُن کے اندر ایسا جوہر تھا کہ جب وہ آگے بڑھتے تو کئی کافر بھاگ جاتے۔ حتیٰ کہ جب پانی لانے کی کوشش کی اور مشکیزے لے کر جاتے تو دشمن نیزوں سے ان کے مشکیزے تار تار کر دیتے۔ خنجر اُتار دیتے اُن کے مشکیزوں میں۔

آخری رات تھی۔ عاشورہ کا نواں دن تھا۔ پانی تو تھا نہیں، تیمّم سے وضو کیا، اور تمام رات سب نے مل کر عبادت کی، دلجمعی کے ساتھ، کوئی

موت کا خوف نہیں تھا، صبح ہوئی، فجر نے رات کی تاریکی کا پیٹ پھاڑا، پو پھوٹنے لگی اور سورج کی شعاعیں نمودار ہوئیں۔ یہ دسویں محرم تھی۔ ایک آواز آئی کہ "اے حسین علیہ السلام! بچ جا میں تقدیر ہوں۔" آپ نے فرمایا "اے تقدیر آجا میں شبیر رضی اللہ عنہ ہوں۔" اس نے کہا "مجھے خدا نے بھیجا ہے۔" آپ نے فرمایا "مجھے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔" پھر اس نے کہا "میں قضا ہوں۔" آپ نے فرمایا "میں علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا بیٹا ہوں۔" پھر آواز آئی "دنیا کے خزانے تمھارے قدموں میں ہیں، اس ارادے سے باز آجا۔" آپؓ نے فرمایا "ان پہ میں تھوکتا بھی نہیں۔ اور میں اپنے آپ کو اور اہلِ بیت جتنے بھی ہیں، ان سب کے جان و مال، عزت اور آخری قطرۂ خون تک کو اپنے نانا جان (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اسلام کی عظمت کو بلند کرنے کے لئے قربان کر دوں گا۔"

پھر آپ گئے۔ معرکے ہوتے رہے۔ حُر جو تھا وہ سامنے کفّار کے لشکر میں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو ہدایت دینی ہوتی ہے وہ آنِ واحد میں ہدایت سے بدل جاتا ہے۔ دوسرے شہ سوار جو اُن کے ساتھ تھے کہنے لگے "حُر تُو بڑا بہادر ہے۔ لیکن آج مخمصے میں نظر آتے ہو۔ تیرے چہرے پہ عجیب پریشانی ہے، کشمکش ہے۔" کہا "ہاں کشمکش ہے۔ کیونکہ ایک طرف مجھے دوزخ دکھایا جاتا ہے اور دوسری طرف جنّت۔ میں نے انتخاب کرنا ہے کہ مجھے دوزخ میں جانا ہے یا جنّت میں۔" یہ کہہ کر اس نے نعرہ مارا اور کہا "میں نے جنّت کا انتخاب کر لیا ہے۔ خبیثو شرم کرو، حیا کرو جن کے گھر سے ہمیں دین ملا، ایمان ملا، سیدھا راستہ ملا، خدا کی پہچان

ملی اور کیا کیا نعمتیں نہیں ملیں، جنت کی خوشخبریاں ملیں، ہم ان سے کیسے لڑ سکتے ہیں۔ تمہارے دل سیاہ ہو چکے ہیں"۔

اور اسی وقت گھوڑے کو ایڑ مار کر وہ حضرت امام حسین عالی مقام کی خدمت میں جا کر حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا۔ "حُر کیسے آئے ہو؟" یہ کہتے ہوئے اس نے سر آپ کے قدموں میں رکھ دیا کہ "حضور توبہ کرنے کے لئے آیا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں تھا۔ میں نے ہی آپ کا راستہ روکا تھا۔ اب میں دل کھول کر لڑوں گا دشمنوں کے خلاف اور میری تلوار کے جوہر آپ دیکھیں گے پہلے آپ مجھے معاف فرما دیں۔ اور میرے لئے اللہ سے توبہ کی دُعا کریں"۔ آپؓ نے دُعا دی۔ شاباش دی اور فرمایا۔ "اے حُر (حُر کے معنی آزاد ہے) آج سے تُو دوزخ سے بھی آزاد ہے"۔ یہ سُن کر حضرت حُر جب میدان میں گئے، تو جدھر تلوار پڑتی تھی ادُھر گردنیں کٹتی جاتی تھیں۔ اس طرح بے شمار دشمنوں کو جہنم رسید کر کے وہ خود بھی شہید ہو گئے۔

حضور عالی مقام حضرت امام حسین علیہ السلام جب میدان میں تشریف لے جانے لگے تو بہن بھی رونے لگی۔ اور آپ کی بیگم بھی رونے لگیں، آپ کی بیگم کا نام شہر بانو تھا۔ وہ نوشیرواں عادل کی پوتی تھیں اور ایران کی ملکہ کی شہزادی تھیں۔ تو جب ایران فتح ہوا تو اُن کو لایا گیا وہ اتنی خوبصورت تھیں کہ سب کو نزلہ وزکام ہو گیا۔ ہر ایک کی کوشش تھی کہ یہ بانو مجھے ملے۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے نے بھی فرمائش کی کہ یہ باندی مجھے دے دی جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا" یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ جس کا حق ہے اس کو مل جائے گی"۔ بعد میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے درخواست دی شہزادی کو، جو اس نے قبول کر لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اتنی خوبصورت تھی کہ ایک دفعہ خیبہ کی طرف ایک صاحبزادی سامنے جو آئیں تو دشمنوں نے یہ دیکھا جیسے ایک چاند نیچے اُتر آیا ہے، جیسے چاندنی اُتر آئی ہے۔ اتنا حسن تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں۔

نُورٌ علیٰ نُور کے سارے پیارے تھے۔ اسی طرح حضرت امام حسن علیہ السلام اور امام حسین رضی اللہ عنہ میں تو بے حد حسن تھا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کے حسن کا یہ عالم تھا کہ مصیبت تھی۔ عورتیں اُن کے گرد بھاگتی رہتی تھیں کہ ہم سے نکاح کر لیں اب نکاح کتنوں سے ہو سکتا ہے۔ صرف چار سے ہی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بڑے خوبصورت تھے۔ تو جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بچے آئے اور انہوں نے کہا کہ ہم بھی شہادت کے لئے جائیں گے، تو آپ نے فرمایا "نہیں" تو آپ کی بیگم شہر بانو نے آپ کے پاؤں پکڑ لئے اور کہا" مجھے اس سے محروم نہ کریں، میرے بچوں کو قربان ہونے دیں۔ ٹھیک ہے، میں نے دیبا، مخمل وغیرہ میں بھی زندگی گزاری ہے اور جب بیوی کی طرح آپ سے نکاح ہوا تو مجھے دنیا کی ہر خوشی مل گئی۔ آپ سے نکاح کے بعد، میرے پاس سیدھا جنت میں جانے کا پروانہ ہے اور میں ہر روز کیف و سرور میں رہ رہی ہوں، آپ بچوں کو نہ روکیں۔ اگر آپ روکیں گے تو کل ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھائیں گے۔ آپ اپنی والدہ کو کیا منہ دکھائیں گے"۔ بہت مجبور کیا، پھر آپ نے

اجازت دے دی۔ غرض کہ یوں ہر ایک شہزادے کو بڑی مشکل سے آپ نے اجازت دے دی۔

پھر وہ وقت آیا کہ آپ نے دیکھا کہ بہن رو رہی تھی۔ آپ نے کہا "بہن رو مت۔ ابھی سورج غروب نہیں ہوا۔ ابرِ کرم کا کوئی لمحہ بھی ضائع نہ جائے کیونکہ آنسو بہانا تو رحمتِ خداوندی ہے۔ مگر آواز نہ نکلے۔ اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تقدس کو قائم رکھنا۔ بحال رکھنا۔

پھر آپ عالی مقام میدان کی طرف نکلے۔ پھر جو سامنے آیا وہ کٹ کے نیچے گرا۔ تیس چالیس آدمی پھاڑ کے رکھ دیئے۔ دشمن نے سوچا کہ اس طرح بات نہیں بنے گی ان پر یک لخت حملہ کرو' پھر تیر برسنا شروع ہو گئے، نیزے برسنے شروع ہو گئے۔ تلواروں کے وار ہوئے، بے شمار زخم آئے۔ اس کے بعد آپ گر گئے۔ شہید ہو گئے۔ پھر بھی وہ اتنے شقی القلب تھے، مردود تھے۔ خدا ان کو ابد الآباد تک دوزخ میں رکھے (آمین) کہ انہوں نے آپ کے سرِ مبارک کو تن سے جدا کر دیا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں آپ کی گردن کو بوسہ دے رہے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چپکے سے کوئی بات کہی۔ تو آپ نے اپنی زبان ہلا دی۔ اس روز حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا خاتونِ جنت نے پوچھا کہ یہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا فرمایا اور اس نے کیا بات کی اور زبان ہلا دی؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا "دو سمجھایا ہے اسے، یہ سمجھ گیا جو میں نے کہا۔ جو اس نے کہا وہ میں سمجھ گیا۔" کہنے لگیں "مجھے بھی تو بتائیے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا" میں اس کی گردن کو چوم رہا تھا تو میں نے کہا "بیٹا ثابت قدم رہو کربلا کے اندر" تو اس نے کہا " نانا جان، یہ میرا سر اگر نیزے پر بھی چڑھا تو اس وقت بھی قرآن کی تلاوت کرے گا" چنانچہ جب سر نیزے پر تھا تو آپ کی زبانِ مبارک قرأت کر رہی تھی " الذی خلق الموت والحیوٰۃ الخ

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے موت اور زندگی کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ جانچے تمھیں کہ تم میں سے نیک عمل کون کرتا ہے"

نیزے پر سر تھا، یعنی سر پہ رسیاں باندھی ہوئی تھیں۔ قافلہ اہلِ بیت کے باقی ماندہ افراد کے ہاتھ پیٹھ پر بندھے ہوئے تھے، مشکیں کسی ہوئی۔ اور یہ قافلہ دمشق کو روانہ ہوا۔ قافلہ جب دمشق پہنچا تو یزید خبیث نے پوچھا" کیا خبر لائے ہو؟" کہنے لگے" انہیں گرفتار کر لیا ہے (اور امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر نیزے پر رکھا ہوا ہے" کہا" جلدی پیش کرو" اہل بیت کو پیش کیا گیا۔ اس نے جو باتیں کیں تو انھوں نے جواب تلخ دیئے۔ ان میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ایک صاحبزادے رہ گئے تھے۔ سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ، اس لئے کہ وہ بہت بیمار تھے، تین دن کے پیاسے۔ یہاں تو تین گھنٹے کی پیاس ہو تو لڑنے لگتے ہیں۔ بھوک، پیاس اور تلواریں سر پر چمک رہی ہوں تو کیا بات ہے؛ بات یہ ہے کہ ہاتھ ان کے تھے لیکن مدد ملائکہ کر رہے تھے۔

میدانِ کربلا میں جب حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے بہت ضد کی

مقابلہ میں جانے کے لئے تو پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے انھیں پیار کیا تھا اور کہا تھا "میرے پیارے بیٹے میری بات سُن، جو میں کہنے جا رہا ہوں۔ اگر تُو شہید ہو گیا تو سادات کا نام مِٹ جائے گا۔ اس کے بعد کوئی سیّد نہیں ہو گا۔ اہل بیت سید ہیں۔ میں تمھیں اجازت نہیں دے سکتا۔ تمھیں اجازت دی تو نسل ختم ہو جائے گی۔"

اس لئے آپ نے حضرت زین العابدین کو اجازت نہیں دی تھی۔

خیر یزید کے ساتھ باتیں بڑی تلخ کیں۔ جو جو وہ کہتا گیا یہ بھی خوب جواب دیتے رہے۔ لمبی بات ہے۔ بہر حال تفصیل بہت ہے۔ میں اس میں نہیں پڑنا چاہتا۔ آخر میں یزید نے کہا "ان کو واپس مدینہ شریف پہنچا دو۔" وہ واپس روانہ ہوئے۔ مدینہ میں لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا۔ جب پتہ چلا کہ شہزادیاں آ رہی ہیں تو کہرام مچ گیا۔ جو صحیح النسب تھے، سچے مُسلمان تھے، پکّے مُسلمان تھے ان کے کلیجے پھٹ گئے۔ تو جب یہ قافلہ آیا تو انھوں نے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے دربار میں حاضری دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلّم سے کہنے لگے کہ "آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی اُمّت نے آپ کے اہل بیت سے یہ سلوک کیا ہے۔" اس پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کا روضہ تھر تھر کانپنے لگا۔

ہماری بدبختی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اب قیامت میں کیا جواب دیں گے۔ اس چند روزہ زندگی کی خاطر سب کچھ کرتے ہیں، لیکن جہاں ابدالآباد کے لئے جانا ہے، جہاں ابدالآباد کے لئے جانا ہے، اس کے لئے کوئی انتظام نہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بڑے برگزیدہ صحابی تھے۔ آپ سے ایک دن کسی

نے سوال کیا کہ "یا حضرت یہ کیا بات ہے کہ لوگ مرنے سے ڈرتے ہیں۔ مجھے مرنے میں خوشی ہے۔ ادھر جانے کو کوئی تیار نہیں"۔ آپ نے کہا "ویرانے کو کوئی نہیں جاتا، آبادی کو سب جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے دنیا کو آباد کر لیا ہے اور اپنی عاقبت کو ویران کر لیا ہے۔ یہ کیسے تمنا کریں موت کی۔ ان پر تو قیامت ٹوٹ جائے گی اگر پتہ چل جائے کہ ہم مرنے والے ہیں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف ہے کہ "الدنیا المضرۃ الآخرۃ"۔ "دنیا آخرت کی کھیتی ہے"۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اے ابوذر رضی اللہ عنہ، اس دنیا میں اس طرح رہ کہ جیسے مسافر رہتے ہیں"۔ دوسری جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے"۔ بڑے بڑے نمازیوں سے پوچھئے کہ آپ تشریف لے جائیں گے؟ تو کہیں گے کہ پل رہنے دیں، ابھی میرے پاس کار آجائے گی تو میں جاؤں گا"۔ اس کی وجہ دنیا کی لذات ہوتی ہیں، خواہشات ہوتی ہیں۔ طمع اور دولت انسان کے اندر تکبر پیدا کر دیتی ہے، غرور آجاتا ہے حسد آجاتا ہے۔ وہ مغرور (Rude) ہو جاتا ہے۔ غرور ایک ناپاک چیز ہوتی ہے۔ اشرف المخلوقات کے دائرے میں آکر ناپاکی پیدا کر دیتا ہے۔ اس کی صحبت سے انسان کچھ گنواتا ہی ہے، فیض حاصل نہیں کر سکتا۔

عزیزانِ من! یہ واقعہ مفصلاً تو نہیں، مجملاً میں نے اس لئے بیان کیا کہ دس روز سے یہ واقعہ تفصیل سے بیان ہو رہا ہے۔ میں صرف آپ کی عدالت میں اب مقدمہ پیش کرنے والا ہوں۔ آپ انصاف کریں کہ بہتر (۷۲)

آدمی نہتے پہنچتے ہیں۔ عورتیں ہیں، بچے تو نہتے ہی ہیں۔ مرد جو ہیں وہ زوردار ہیں، تو راستے میں جب آپ آرہے تھے۔ آپؑ کو ایک شاعر ملا۔ علیک سلیک کی۔ آپ نے پوچھا کیا حال ہے کوفہ والوں کا؟ اُس نے کہا" یا امام، میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ واپس چلے جائیں۔" پوچھا" کیوں؟" کہا" کوفے والوں کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں، لیکن ان کی تلواریں آپ کے دشمنوں کے ساتھ ہیں۔ یہ عجیب قوم ہے، صبح کو کچھ ہوتی ہے، شام کو کچھ ہوتی ہے۔"

معترض یہ اعتراض کرتے ہیں کہ دین کے لئے جنگ نہیں لڑی گئی۔ میں پوچھتا ہوں کہ کس چیز کے لئے لڑی گئی۔ کسی چیز کا جب تجزیہ Analysis کرنا ہو تو بنیادی چیزوں کو پہلے دیکھتے ہیں۔ ان کے پاس اگر پانچ یا دس دینار آئے تو وہ خیرات کر دیتے تھے۔ یہ حکومت کے حساب سے تو ان کا (Legal) کام تھا۔ اگر آئی بھی تھی تو لوگوں میں تقسیم کر دیتے۔ وہ تو گھرانہ ہی ایسا تھا۔ سخاوت کا منبع، عدالت کا منبع، امامت کا منبع، شجاعت کا منبع۔ وہاں کون سی بات تھی۔ لیکن چونکہ دنیا کے تمام مسلمانوں پر مغربی اثرات غالب ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ سب نے اس کو ایک معمولی سا واقعہ قرار دیا، جیسے ایک قتل کا واقعہ ہوتا ہے۔ شہادت کی عظمت کو نیچے کر کے ایک عام قتل سمجھا جانا شروع کیا اور اس میں خامہ فرسائیاں کی گئیں کہ یہ آپ کی غلطی تھی۔ فلاں تھی، دنیا بھر کے الزامات لگائے۔ اب تو حد یہ ہے کہ میں آپ کو مثال دیتا ہوں میرے عزیزو کہ مولویوں کے قال قال بدل جاتے ہیں۔ کہتے تو ہیں قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

لیکن قال کے بعد حال میں نہیں آئیں گے۔ حال کی دنیا کی سیر ہی نہیں کی۔ سب سے زیادہ نقصان جو پہنچتا ہے اسلام کو وہ اندرونی دشمن سے ہوتا ہے اور وہ یہ مولوی، یہ فرقے جتنے بھی ہیں ان سے پہنچتا ہے۔

جب "شہید گنج" کا واقعہ ہوا لاہور میں تو سکھ کہتے تھے یہ ہمارا گردوارہ ہے، مسلمان کہتے تھے یہ ہمارا ہے۔ اسّی ہزار مسلمان تھے جو کہ شہید گنج کی طرف (advance) کر رہے تھے۔ میں ان مولویوں کا نام تو نہیں لوں گا کیونکہ یہ بزرگ لوگ ہیں۔ گورے جو تھے انھوں نے اوپر مشین گن فٹ کی ہوئی تھیں۔ نیچے پولیس تھی۔ پولیس کے جو کمانڈر تھے وہ مرزا باقر علی تھے۔ میرے والد صاحب اور یہ کلاس فیلو تھے۔ ان کے والد جنرل مرزا الٰہی تھے تو انگریز ڈی۔سی نے حکم دیا کہ (Fire) ایس پی یا ایس ایس پی جو تھا اُس نے انگریز کی طرح کہا (Fire) انھوں نے کہا (On Whom?) کہنے لگا (On these mutineers) انھوں نے پوچھا Are they mutineers? They are fighting for the cause of their religion.

یہ کہہ کر بیلٹ اُتاری اور پھینک دی ایک جھٹکے میں۔ کہنے لگا۔

"Here is the belt. I do not care for it"

تو وہ جو اس وقت موجود تھے (میں اس وقت موجود تو نہیں تھا، میں لاہور میں نہیں تھا) وہ کہتے ہیں کہ جب گولی چلتی تھی تو جس کو لگتی تھی تو اسے ایسے اٹھاتے اور وہ یوں انسانی سروں کے اوپر سے اسے پاس

کرتے اور پیچھے کی طرف بھیج دیتے۔ اس دوران گولیاں ان کو لگ رہی ہیں۔ (But they are passing) اس طرح وہ اسے اخیر تک پہنچا دیتے۔ جب انگریزوں نے دیکھا کہ مشین گنوں نے بھی کام نہیں کیا تو اُس وقت انہوں نے مولویوں کو دعوت پہ بلایا۔ پتہ نہیں کیا دعوت تھی۔ اس کے بعد مولویوں نے باہر آکر کہا: "ہم تمھیں یقین دلاتے ہیں کہ مسجد شہید گنج تمھیں مل جائے گی۔ اب تم ختم کرو یہ معاملہ"، نعرۂ تکبیر بلند ہوا اور بات ختم ہو گئی۔

ہم لوگ تو ان کے پیچھے نماز بھی پڑھتے ہیں تو اللہ اکبر تو یہی کہتا ہے تو ہم بھی کہتے ہیں اللہ اکبر۔ اب دیکھا گیا کہ مرے کون ہیں۔ پتہ نہیں دیکھو بھئی، یہ کون مرا؟ ارے یہ تو ماما ہے پنساری۔ اور یہ ماژا ہے، یہ دودھ نہیں بیچتا تھا۔ یعنی ماما اور بھانجے ہی مرے سارے۔ کوئی مولوی صاحب وغیرہ نہیں مرا۔ اب طاہر القادری کے ڈنڈا مار دیا تو شور مچا دیا۔ قتل تو نہیں کیا، صرف ڈنڈا مارا ہے۔ پہلے بادشاہوں کے زمانے میں نبوت کے دعوے ہوتے تھے مگر کسی نے اپنے آپ کو نعوذ باللہ من ذالک محمدؐ نہیں کہا، کسی نے بھی نہیں۔ مگر اس لاہور والے ملعون یوسف نے یہ دعویٰ کیا ہوا ہے۔ موجودہ حکومت جس نے زیادہ اسلام کا نام لیا ہے اور زور دیا ہے ایک لفظ بھی فرقہ واریت کے بارے میں نہیں بولا۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کسی شخص کی لڑکی کو اگر کوئی اغوا کر لے اور وہ ریوالور لے کر اس کا تعاقب کرے اور اس کو مار دے تو آپ کیا کہیں گے؟

لندن میں ایک مقدمہ پیش ہوا۔ وہ میجر تھا، جنگ میں اس نے حصہ لیا تھا۔ اپنی بیوی کی بد چلنی کی وجہ سے اس کو گولی ماردی تھی Arrest ہوگیا تھا۔ جب وہ کورٹ میں گیا تو اس کے تین یا چار جو میڈلز تھے وہ اس کی وردی پہ تھے۔ اس نے کہا" می لارڈ، میں نے چھوٹی سی ایک بات کرنی ہے کہ ملک کی عزت بچانے کے لئے میں نے تو پخانہ میں اپنی ذمہ داریاں پوری کی ہیں۔ میں نے سینکڑوں آدمی مار دیئے اور مجھے تمغے ملے جو آپ میرے سینے پر دیکھ سکتے ہیں۔ جب میں نے اپنی عزت بچانے کے لئے ایک عورت کو مار دیا تو میں پھانسی کے قابل ہوگیا۔ یہ کیا انصاف ہے؟" What is this way of thinking?

ایک لفظ ہے فرقہ واریت۔ میں کہتا ہوں شیعاؤں کے لئے اتنا انتظام ہے۔ حکومت سُنیوں کی ہے۔ کیونکہ مجارٹی یعنی اکثریت انہی کی ہے آپ ایران میں جائیں۔ ان کا آئین (Constitution) باقاعدہ پڑھیے، اس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ کوئی غیر شیعہ (President) نہیں ہوسکتا۔ (It is written) یہاں تو بہار آئی ہوئی ہے۔ تقسیم ہو رہی ہے جب بے نظیر وزیر اعظم تھی تو کہتی تھی میری ماں شیعہ ہے۔ اب کہتی ہے ہم حسینی ہیں۔ اب حسینی بن گئی ہے۔ بتائیں کیا کریں۔ ڈنڈا مارا تو اخباروں میں مولویوں نے شور مچا دیا۔ لیکن اس یوسف خبیث نے اتنا شور مچایا ہوا ہے۔ نہ تو وہ حکومت سے خوش ہے اور نہ کسی اور سے، اس کو تو کوئی کچھ نہیں کہتا۔

دس پندرہ روز پہلے فیصل آباد میں ایک (Gathering) تھی، کوئی جلسہ تھا۔ فیصل آباد میں کافی خبیث ہیں۔ کیونکہ وہاں وہابی بہت رہتے ہیں، بدعقیدہ لوگ۔ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں بکنا شروع کیا۔ ایک نوجوان اٹھا۔ (یہ میں نے اخبار میں پڑھا تھا) وہ گھر گیا۔ ریوالور لے کر آیا اور اُس نے وہیں کھڑے اُس کو شوٹ کر دیا اور خود کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ اس نے اپنے بھائی کو کہا۔ "رونے کی کوئی ضرورت نہیں، میں نے شہادت پائی، میں نے اپنے آقا (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی آن پہ جان قربان کر کے جامِ شہادت نوش کیا، میں مطمئن ہوں"۔

کبھی کسی مولوی کی ایسے جامِ شہادت کی آواز آئی ہے؟ ہاں ڈنڈے کھائے تو شور مچ گیا۔ جب مولوی صاحب کو گولی لگتی ہے تو کہتے ہیں ہم طوفان مچا دیں گے۔ اب طاہر القادری صاحب ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کا مرتبہ بلند کرے۔ اُن کے پیر صاحب کی گاڑی گم ہو گئی، بیٹا بھی اغواء ہو گیا، کوئٹہ میں تھے۔ وہ خان قلات کے قریبی رشتہ دار تھے۔ یعنی اُن کی بیوی جو تھی وہ وہیں کی تھی۔ نواز شریف تھے ان دنوں وزیرِ اعظم، یہ ان کے مُنہ چڑھے ہوئے تھے۔ خیر ہوتے ہوتے انہوں نے اعلان کیا کہ اگر یہ معاملہ اتنے دن کے اندر طے نہیں ہوا تو ہم کفن بردار جلوس نکالیں گے۔ چنانچہ کفن بردار جلوس نکالا گیا۔

پیر مقصود نہیں ہے۔ مقصود ذات نہیں ہے، پیر راہبر ہے، مقصود

جو ہے وہ اللہ کی ذات ہے۔ پیر آپ کو اس تک پہنچانے والا ہے اور مولوی؟ دیکھئے جو انھوں نے (Comments) کی ہیں۔ میں ابھی آپ کو اقتباسات سُناؤں گا آپ سُن لیجئے گا۔ تو پھر آپ خود نتیجہ دیجئے کہ میں آپ کو سچ کہتا ہوں۔ آپ میرے پیارے مُرید ہیں۔ اپنے دین کی حفاظت کریں۔ یہ قال قال پر نہ جائیں۔ ٹٹولنا تمھارا کام ہے۔ ایک بات میں تمھیں بتادوں بریلوی Sect (فرقہ) کے بارے میں۔ ایک بات تو میں کہہ سکتا ہوں کہ میری نظر سے اتنے مطالعہ کے بعد ابھی تک ان کا کوئی لٹریچر یا کوئی کتاب ایسی نہیں گزری جس میں انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی تذلیل کی ہو یا اولیاء کرام کی تذلیل۔ بس اتنا ہی بتادوں۔ دیوبندیوں نے تو یہاں تک بھی کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا اگر نماز میں نعوذ باللہ من ذالک ثم نعوذ باللہ من ذالک خیال آجائے تو بیل اور گدھے سے بدتر ہے۔

تو اب میں اپنے بیٹے حامد کو کہوں گا کہ وہ (میری طبیعت آج ٹھیک نہیں) آپ کو پڑھ کر سُنادے۔ آپ بڑے غور سے سُنیے گا اور دیکھئے گا کہ ہم کتنے ظالم ہیں۔

(ڈاکٹر حامد صاحب پڑھتے ہیں)

کون یزید؟ اسلام کی مقدس پیشانی پر ایک بدنما داغ، دین کی پاک چادر پر ایک سیاہ دھبہ اور مذہب کی نورانی ماتھے پر ایک کلنک کا ٹیکہ۔ کون یزید؟ جس نے خلافتِ اسلامیہ کی بجائے شخصی حکومت کی بنیاد ڈالی،

جس نے امانتِ الٰہیہ میں خیانت کی اور جس نے اپنے باپ کی وصیت کو بھلا کر خلفائے راشدین کے ہر نقش حق پرستی کو مٹا دیا۔ یزید کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقابلے میں کھڑا کرنا ہی دین کی توہین ہے اور اسلام سے جنگ ہے۔ اس لئے کہ یہ پیکرِ فتنہ و شرارت، وہ مجسمۂ حق و ہدایت۔ یہ دُنیا کا بدمست، وہ دین میں سرمست۔ یہ باطل پرست وہ حق پرست۔ یہ مجسمۂ کفر و طغیان وہ پیکر دین و ایمان۔ یہ فسق و فجور میں مبتلا وہ سراپا تسلیم و رضا۔ یہ مکر و فریب کی جاگتی تصویر وہ اخلاقِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندہ تفسیر۔ یہ اسلام میں ایک نفسِ شریر وہ وارثِ چادرِ تطہیر۔ تو پھر ؎

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

یعنی مٹی کو عالم بالا سے کیا نسبت ہے؟ مگر میں پیش لفظ میں لکھ آیا ہوں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں خارجی گروہ اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ ناموسِ اہل بیت پر حملہ آور ہو چکا ہے اور وہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں یزید کو خلیفۂ برحق، متقی، پیدائشی جنتیؔ، امیرالمؤمنین، خلیفتہ المسلمون اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہہ کر اور اس کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت میں بری الذمہ قرار دے کر محبانِ اہلِ بیت اور غلامانِ عطرتِ پیغمبر کے دلوں کو زخمی کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں ضلالت و گمراہی بھی پھیلا رہا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں ابو یزید محمد دین بٹ لاہوری نے رشید ابنِ رشید کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے۔ جس میں اس نے یزید کی حمد و ثنا، اور تعریف و توصیف کر کے (غور سے سُنیئے) مذکورہ بالا تمام القاب یزید کو دیئے

ہیں اور شہزادہ کونین حضرت امام حسین علیہ السلام کو حکومت کا باغی، دین کا دشمن اور فتنہ پرور اور حکومت کا لالچی اور غلطیوں کا پُتلا لکھا ہے (نعوذ باللہ) اور حضرت علی مرتضیٰ رض کو فاسق و فاجر لکھ کر آپ کی خلافت حقہ کا مذاق اڑایا ہے اور پھر اس کتاب کی تصدیق خارجی گروہ کے بائیس مولویوں نے کی ہے، جن کا تعلق دیوبندیت سے ہے، جن کے نام یہ ہیں، ایک مسئلے کے جواب میں۔

نمبر (۱): مولوی سید اظہار الحق، سہیل شاہ۔ خطیب جامع مسجد و مہتمم مدرسۃ اسلامیہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ، لائل پور۔

یہ خارجی مولوی لکھتا ہے کہ میں سیدنا یزید کی روح کو سلام بھیجتا ہوں، جو کہ امیر المومنین ہے۔

(حضرت صاحب کے ریمارکس) سن لیں عزیزانِ من! یہ ذرا کان کھول کر سُنیں کہ کیا لکھتا ہے۔ سُنیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ ہم لوگ صرف اپنے گھروں میں مست ہیں۔ کھانا اچھا کھاتے ہیں، لیٹ گئے، فضولیات سن رہے ہیں۔)

(نمبر ۲) مولوی عبدالوحید غلام محمد، مولوی فاضل دیوبند، راجن پور ڈیرہ غازیخان لکھتا ہے کہ "حضرت یزید رح ایک جلیل القدر مجاہد اسلام ہیں اور میرا ایمان ہے کہ وہ ضرور جنتی ہیں۔ اور مجھے اپنے والد کے متعلق تو اتنا یقین نہیں کہ وہ ضرور جنتی ہیں لیکن حضرت یزید کے متعلق میرا ایمان ہے کہ وہ ضرور جنتی ہیں ورنہ حدیث کا انکار کرنا پڑے گا۔

(حوالہ کتب رشید ابن رشید صـ ۳۴۱-۳۴۲)

نمبر۳ : مولوی غلام مرشد، سابق خطیب شاہی مسجد لاہور۔

نے لکھا ہے کہ جو الزامات امیر المومنین حضرت یزید پر لگائے جاتے ہیں، وہ غلط اور بے بنیاد ہیں۔ کیونکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحبت بابرکت میں بیٹھ کر تعلیم حاصل کرنے والے صحابہ کرامؓ نے یزید کی بیعت کر کے اُسے اپنا امیر اور امام تسلیم کر لیا تھا، لہٰذا یزید کی صداقت کا اس سے زیادہ ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔ (حوالہ کتاب رشید ابن رشید ص ۳۴۲)

نمبر۴ : مولوی ظہیر الدین، چک نمبر ۳۱۵ گ ب، ضلع لائل پور

نے ابو یزید کے ایک خط کے جواب میں لکھا ہے کہ "محترمی بٹ صاحب! آپ نے یزید کے متعلق دریافت کیا ہے کہ وہ کیسے شخص تھے اور اس کے بارے میں ہمیں کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے، تو اس کے متعلق عرض ہے کہ حسینؓ کے قتل میں یزید کا کوئی دخل نہیں اور نہ ہی اس کو علم تھا، بیشک یزید خلیفہ برحق تھے۔ (حوالہ کتاب رشید ابن رشید ۳۴۹)

نمبر۵ : مولوی مفتی بشیر احمد، خطیب جامع مسجد پسرور، ضلع سیالکوٹ

نے تحریر کیا ہے کہ شیعہ مذہب میں ظالم اور فاسق کی بیعت بدترین گناہ ہے اور اگر یزید فاسق و کافر تھا تو سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کیوں کی؟ (حوالہ کتاب رشید ابن رشید ص ۳۶۳)

نمبر۶ : مولوی سید نور الحسن شاہ بخاری

مہتمم مرکزی تنظیم اہلسنت، جوہر گیٹ ملتان۔

نے لکھا ہے کہ محترم المقام! وعلیکم السلام، یاد فرمایا شکریہ، جواباً

عرض ہے کہ یزید کے مسلمان ہونے پر تو تمام مسلمانوں کو اتفاق ہے، جو لوگ اس زمانے میں یزید کو کافر کہتے ہیں، اُن کا ایمان مشتبہ ہے۔ البتہ اس کے فسق و فجور پر اختلاف ہے۔ بعض اکابرینِ اُمّت نے اُس کے فسق کو تسلیم کیا ہے۔ اس فسق و فجور کی مہم میں زیادہ تر اعدائے دین کا ہاتھ کام کرتا ہے۔ بہ فرضِ محال فاسق تسلیم بھی کرلیا جائے، تو آج کل کے فاسق کہنے والوں سے تو زیادہ فاسق قطعاً نہیں ہوگا۔ (حوالہ کتاب: رشید ابنِ رشید ص ۳۴۶)

یہ ہے خارجی گروہوں کے مولویوں کا یزید کے بارے میں اعتقاد اور ایمان۔ اور آداب اپنی مستند کتابوں، معتبر تاریخوں اور اکابرینِ اسلام کے اقوال کا مطالعہ کریں۔ اور پھر انصاف پسند نگاہوں اور حقیقت شناس دل سے تجزیہ کریں کہ کون حق پرست ہے اور کون باطل پرست اور باطل کا پجاری۔ کس کا دل سعید ہے اور کس کا دل شقی ہے۔ محبِ اہلِ بیت کون ہے اور دشمنِ اہلِ بیت کون ہے۔ غمِ حسین میں رونے والے کون ہیں اور آپ کی شہادت پر قہقہے لگانے والے کون ہیں اور پھر معلوم ہو جائے گا کہ یزید کا رُخِ کردار کیا تھا اور اس نے اسلام پر کیا ظلم کیا۔ اور اس کی غیر اسلامی اور شخصی حکومت نے دین کو کتنا نقصان پہنچایا اور اس کے فسق و فجور نے شریعتِ مصطفےٰ علیہ السلام کا کس طرح مذاق اڑایا۔

(حوالہ کتاب البدایہ والھدایہ جلد ۸ صـ ۲۳۱ تاریخ الخلفاء صـ ۱۴۶)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سید المرسلین علیہ السلام سے سُنا کہ بنی اُمیہ میں پہلا وہ شخص یزید ہوگا جو میری سُنّت کو تبدیل کرے گا۔"

قربان جاؤں فرمانِ مصطفیٰ کے کہ ایک سو سال پہلے ہی فرما دیا کہ جو پہلا شخص میری سُنّت کو تبدیل کرے گا اس کا نام یزید ہوگا۔ نبی کریم علیہ السلام کی زبان حق ترجمان سے نکلی ہوئی بات کبھی بھی جھوٹ نہیں ہو سکتی۔ تو پھر یزید نے ارشادِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطابق ضرور سُنّت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبدیل کیا ہوگا۔

پھر میں، یزید کے حامی ابو یزید لاہوری اور دوسرے خارجی مولویوں سے پوچھتا ہوں کہ جو شخص سُنّتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو تبدیل کرے، تو تمھارے نزدیک وہ شخص کون ہے؟ اور قرآن پاک کا فیصلہ ہے کہ

"یا ایھا الذین امنو لا .... الخ

یعنی اے ایمان والو، اللہ اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت نہ کرو" مطلب یہ کہ اللہ کے فرض کو نہ چھوڑو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتیں نہ ترک کرو۔

اور پھر فرمایا" اطیع اللہ و اطیعو الرسول"

"یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔"

اللہ کی اطاعت اس کے فرائض کی پابندی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اُن کی سُنّتوں کی پابندی ہے اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۱ میں) کہ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اے مسلمانو! میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، اُن دونوں کو مضبوطی سے پکڑنے سے تم گمراہ نہیں ہوگے۔ ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری سُنّت ہے۔"

اس حقیقت سے یہ ثابت ہوا کہ سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ترک کرنے والا یا اس میں کسی قسم کا ردّو بدل کرنے والا گمراہ و بے دین ہے۔

تو یزید نے بھی سُنّتِ رسُول (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو صرف تبدیل ہی نہیں کیا تھا بلکہ ترک ہی کر دیا تھا۔ تو گویا یزید کی احادیثِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے مطابق گمراہ اور خارج از اُمّتِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کیوں نہ سمجھا جائے۔

جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا دیا ہے کہ "جس نے میری سُنّت سے اِعراض کیا وہ میرا اُمتی نہیں ہے"۔

ہاں اگر سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلّم بنو امیّہ سے کسی فرد کا نام نہ لیتے تو یزید کے پرستار خارجی مولویوں کے لئے اس کو بچانے کی گنجائش ہو سکتی تھی۔ مگر کملی والے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے تو یزید کا نام بتا کر اس کی گمراہی، بے دینی، فسق و فجور اور اس کے خارج از اُمّت ہونے پر مُہر ثبت کر دی۔ (حوالہ کتاب شرحِ عقائد نسبی صـ۱۱۷)

یہ میں نے اس لئے بیان کیا تھا کہ میں پہلے زبانی آپ کو بتا دوں۔

تو آج میں نے لفظ بہ لفظ دو چار آپ کو سُنوا دیئے ہیں تاکہ یہ دل میں بیٹھ جائیں اور یاد رہیں اور آپ کسی کے سفید رنگ یا سفید داڑھی، یا قال قال زیادہ کرنے سے متاثر نہیں ہوں گے۔ آپ کا فرض ہے ٹٹولنا کہ عقیدہ کیا ہے۔ یاد رکھو، ایمان اور عقیدہ ایسے بندھے ہوئے ہیں جیسا روح اور جسم۔ اگر ایمان ہے اور عقیدہ نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر عقیدہ خراب ہے تو ایمان بالکل تباہ ہو گیا، برباد ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر چیز عیاں تھی لیکن مصلحتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہتے تھے۔ بعض دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیتے تھے جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غسل دیا تھا پیدائش کے وقت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "آج میں علی کو پہلا غسل دے رہا ہوں اور آخری غسل علی مجھ کو دے گا۔"

عمرو بن سعد کے والد وہ صحابی تھے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ اُحد میں زخمی ہوئے تھے تو انہوں نے کفار پر پہلا تیر چلایا تھا تو اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "اسی طرح اس کا لڑکا (امام حسین رضی اللہ عنہ) پر پہلا تیر چلائے گا۔" یہ نہیں کہ باتیں سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیاں نہ تھیں۔

تو عزیزانِ من! یہ سب کچھ ہوا، اہل بیت واپس ہوئے، دنیا دار لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ بات ختم ہو گئی۔ ایسی بات نہیں۔ یہ رب کے محبوب کی بات تھی۔ اتنی زبردست آزمائش کیوں ڈالی؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کو کیوں کہا؟ کیونکہ ہر چیز کی تکمیل جو ہے اور بلندی اور اس کا اعلیٰ وارفع ہونا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تھے، امام المرسلین تھے۔ ہر صفت آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی۔ تمام انبیاء کرام میں جتنی صفتیں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی صفات کا مجموعہ تھے۔

دوسرے نبیوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سب سے زیادہ معجزے

دیئے یعنی تو[9]۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین سو معجزے تھے جو گنے گئے تو یہ کیا بات ہے، سوچنے کی بات ہے۔ ان باتوں کو صرف فقیر ہی حل کر سکتے ہیں، اہلِ ظاہر نہیں کر سکتے۔ بات یہ تھی کہ جب شہادت ہوتی جاتی تھی تو پھر وہ ساتھ ہی کہتے تھے کہ "اے اللہ! اہلِ بیت کی شہادت کو قبول کر۔ اے اللہ، اس کا بدلہ ہمیں قیامت والے دن دیجیو، اور وہ بدلہ یہ کہ ہمارے نانا جان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمّت کے جتنے بھی گنہگار ہیں، ان کو بخش دیجیو۔"

اس عمر میں اتنی بڑی قربانی اس لئے کی ہے کہ سب سے زیادہ جو اُمّتی ہیں وہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہیں اور اسی طرح سب سے زیادہ دوزخی بھی انہیں میں ہیں۔ خیر جو چیز میں کہنا چاہتا تھا وہ یہ کہ بات ختم نہیں ہوئی تھی۔ یزید پر دورے پڑنے شروع ہو گئے۔ مرگی (Epilepsy) کے۔ مرگی سب سے پہلے یزید کو ہوئی۔ بڑے علاج کئے لیکن کوئی علاج کارگر نہ ہوا۔ پھر یہ حضرت امام زین العابدینؓ کے پاس آیا اور کہا۔ "میری بخشش کی کوئی صورت ہو سکتی ہے، مجھے کچھ بتایئے میں پڑھوں۔"

دیکھئے میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اہلِ بیت ہیں، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نُور سے ہیں، تو یہ بھی نور سے ہیں۔ نُور سے فتور نہیں پیدا ہو سکتا، نور سے نور ہی پیدا ہوتا ہے۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ پر اتنا اثر تھا اس شہادت کا کہ آپ زندگی بھر کبھی مسکرائے نہیں اور بولتے بھی بہت کم تھے، نہ کسی سے ملتے تھے، گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ آپ کا فقہ پر اتنا عبور تھا کہ تمام اہلِ بیت کا ذرا سا بھی کوئی نکتہ

آجاتا، تو آنِ واحد میں وہ نکتہ حل کر دیتے تھے۔ آپ نے کہا اچھا میں بتا دیتا ہوں۔ آپ نے بتایا کہ دوگانہ پڑھو، ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

جب یہ دوگانہ پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا تو مرگی کا دورہ پڑا، جب بھی اس نے دوگانہ پڑھنے کی کوشش کی اس کو مرگی کا دورہ پڑ جاتا تھا۔ جب آخری وقت آیا تو اس کو قولنج کا درد ہوا۔ وہ ایسا شدید تھا کہ تین دن، تین راتوں تک جب بھی وہ پانی پینے کی کوشش کرتا تو وہ اندر نہیں جاتا تھا۔ بھوک سخت لگی ہوئی تھی، لیکن جب بھی روٹی کا ٹکڑا منہ میں ڈالتا تو وہ بھی نگلا نہ جاتا تھا۔ اسی طرح یہ تڑپ تڑپ کر مرا۔ مرنے سے پہلے یزید نے اپنے بیٹے کو بلایا تھا جس کا نام تھا معاویہ، اُسے کچھ ہدایتیں دیں اور کہا "میرے بعد تم ہو"۔ معاویہ نے کہا۔ "میں ایسے ظلم کی گدّی پر بیٹھنا نہیں چاہتا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے اہلِ بیت کے خُون کی بُو آ رہی ہو۔ میں ہرگز نہیں بیٹھوں گا، جس کو مرضی ہے بٹھا دو۔"

جب یزید مر گیا تو لوگوں نے زبردستی معاویہ کو بٹھا دیا، لیکن وہ اپنے کمرے کے اندر چلا گیا اور پندرہ روز تک وہ اپنے کمرے سے نہیں نکلا، اور اس کے بعد اعلان کیا کہ میں حکومت سے دستبردار ہوتا ہوں۔ تم اپنے معاملات خود بہتر سمجھتے ہو، جسے چاہو اپنے لئے منتخب کر لو۔

اب ایک دور اور ہے جو میں بتانا چاہتا ہوں، اس کے بعد ختم کر دوں گا۔ وہ وقت نازک جو تھا وہ تو اہلِ بیت کا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان پر یعنی دشمنانِ اہلِ بیت پر آفت اور بلا مسلّط کر دی۔ ایک شخص تھا جس

کا نام مختار بن عبیدہ تھا۔ جو اپنے دل میں اقتدار کی ہوس رکھتا تھا۔ اس نے خونِ اہلبیت کا بدلہ لینے کے لئے علم بلند کیا اور ایک لشکر جمع کر کے کوفہ پر حملہ کر دیا اور کوفہ کے حاکم ابنِ مطیع کو شکست دے کر شہر پر قبضہ کر لیا پھر حکم دیا کہ کوفے کی اینٹ سے اینٹ بجا دو، اور جب تک میں نہ کہوں تلواریں میان میں نہ کرنا اور اگر شبہ پڑ جائے کہ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے خلاف کچھ کیا ہے تو اس کے گھر کی اینٹیں تک اکھاڑ دو، بے شک مر جائے"۔ تو اتنا خون بہا کہ لوگوں نے حال وپکار کی کہ نسلیں ختم ہو گئیں۔ اس نے کہا" واللہ ابھی انتقام پورا نہیں ہوا"۔ ہوش آ گیا سب کو اور اس نے کافی طبیعت صاف کر دی۔ ان کو ایک ایک کر کے حاضر کیا گیا، کہا شمر کو حاضر کرو، اور کہا۔ اس ہاتھ سے تُو نے تلوار اٹھائی تھی۔ کہا کاٹو اس کے ہاتھ میرے سامنے۔ پھر اُس نے کہا ابنِ زیاد جو گورنر تھا اس کو حاضر کرو، کہا یہ تھا، اس نے حکم دیا تھا، کہا ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔

اُس نے کہا" عمرو بن سعد کہاں گیا"۔ وہ کہنے لگا جی میں کچھ.....
کہا کوئی بات، کوئی عذر نہیں سُنا جائے گا۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو"۔ یعنی ایک قیامت مچی ہوئی تھی۔ جس طرح اہلِ بیت کو پناہ نہیں ملی تھی، ان کو بھی پناہ نہیں مل رہی تھی۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس میں دیر نہیں لگی۔ (Compare the two things) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا" اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم)، حضرت یحییٰ کو جب قتل کیا گیا تو میں نے ستر ہزار آدمی کی جان لے لی تھی"۔ اور آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے شہزادوں اور اہل بیت کا جو خون بہا، اس کے بدلے ستر ہزار سے دگنا کا خون بہے گا تو خون بہا پورا ہو گا۔ تو ان لوگوں کا یہ حشر ہوا ہمارے یہاں مصیبت یہ ہے کہ ہم (Goody goody type) ہوتے جا رہے ہیں۔ مثلاً لوگ مجھ سے آ کر ان کے متعلق پوچھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کو دین کی طرف لگا دینا چاہیئے تھا۔ اس سے مراد یہ کہ ان کے اندر اللہ اور رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اور اہل بیت کی محبت پیدا کرنی چاہیئے تھی۔ جیسا کہ میں نے آپ سے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ مجھے جو دینی اور دنیاوی ترقیاں ملیں، روحانی درجات میں ترقیاں عطا ہوئیں۔ آج میں جس ولی کی طرف خیال کرتا ہوں وہ محبت سے دیکھتا ہے تو یہ صرف پنجتن پاک سے محبت کرنے کا نتیجہ ہے۔ میں کسی ولی کی طرف رجوع کروں، بڑی شفقت دیتا ہے۔ جب اتنا سستا سودا ہے تو Investment کیوں نہیں کرتے۔ مہینے میں اگر ایک پنجتن پاک کا ختم ہی دے دو۔ یا دو مہینے میں دے دو، تو ایک تعلق ایک رشتہ قائم ہو جائے گا۔ تو فقیروں سے رشتہ قائم کرنا چاہیئے، مطابقت قائم کرنا چاہیئے۔ ان کا تعلق ایسا ہے کہ جیسا ان کے جسم کا لباس بھی اگر ان سے Touch کر جائے تو ویسی بیعت ہو جاتی ہے۔

میں آج سے سولہ سترہ برس پہلے اسلام آباد میں خطاب کر رہا تھا تو حالت جذب کی تھی۔ میں نے کہا "تم اہل اللہ کا مقام، جن پر اللہ کا کرم ہوتا ہے، نہیں سمجھتے۔ وہ اگر خیال بھی کریں تو ان کے کپڑے بھی ذکر کرنے لگتے ہیں۔"

بس میں نے اتنا کہنا تھا کہ میرے Collar جو تھے ان سے ذکر شروع ہو گیا۔ سب محو حیرت ہو گئے کہ یہ کیا بات ہو گئی۔ میں نے کہا۔ تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتا۔ ابھی بالغ نہیں ہوئے ہو اس راہ میں۔ جب بالغ ہو گئے تو سمجھ لو گے۔

اب میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ نسبت بڑی چیز ہے۔ اب میری قلندرہ ہیں آپ ان کے مقامات سے واقف نہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کرم کیا ہوا ہے۔ میں آج آپ کو یہ واقعہ سُنانا تو نہیں چاہتا تھا، لیکن سُنائے دیتا ہوں تاکہ آپ بھی جان جائیں بعد میں Demonstrate بھی کر دوں گا۔ میں کبھی کبھی انہیں اپنے حجرے میں توجہ دے دیتا ہوں جب میری طبیعت ٹھیک ہوتی ہے۔ یہ میرے حجرے میں آئیں تو یوں کھڑی رہیں۔ ان کو بڑی لالچ ہوتی ہے توجہ کی۔ اتنی حرص ہوتی ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا اور مجھے اپنے اوپر افسوس ہوتا ہے بعض دفعہ میری بیماری کی وجہ سے اور بعض دفعہ میں بیماری کی حالت میں بھی ان کو توجہ دیتا ہوں، ایک دن ان کے اندر بڑا جذبہ تھا۔ میرے حجرے میں آئیں اور کچھ میری طبیعت بھی قابو میں نہیں تھی۔ میرا گرم ہاتھ ان کو لگ گیا اور ان پر جذب طاری ہو گیا۔ ان کی کیفیت یہ تھی کہ یہ بالکل قابو میں نہیں تھیں۔ میں تو دیکھ رہا تھا کہ ان کی ہر چیز ذکر میں ہے۔ حتیٰ کہ اُن کے ہاتھ میں یہاں ایک انگوٹھی تھی وہ ان کی انگلی سے نکلی اور فضا میں رقص کرنے لگی۔ یہ جس طرف بیٹھی تھیں وہ میرا پنکھا بالکل مخالف سمت میں تھا اور وہ ان کی انگوٹھی اسی جذب کی

حالت میں پنکھے کے اندر گھُس گئی اور اب تک پنکھے کے ساتھ وہ رقص کرتی رہتی ہے، گھُومتی رہتی ہے وہ میں نے Preserve کر لی ہے۔ آج میں پنکھا یہاں رکھ دُوں گا، سب دیکھ لیں اس انگوٹھی کو، کیا بہار ہوتی ہے جب وہ پنکھا چلتا ہے، گھُومتا ہے۔ آپ یہ دیکھ لیں، میں اس لئے نہیں کہتا، ان کے اور بھی مناقب ہیں کیونکہ یہ شرماجاتی ہیں اور یہ نہیں چاہتیں کہ ان کا ذکر کیا جائے۔

لیکن عزیزانِ من! یہ آپ سے بڑی محبت کرتی ہیں، آپ لوگوں کی بڑی خدمت کرتی ہیں میں نے دیکھا ہے کہ لوگ کھلاتے پلاتے تو ہیں لیکن دل تنگ کر کے اور یہ جب کھلانے پلانے کا معاملہ آتا ہے تو بڑی خوش ہو کر کھلاتی ہیں۔ جمعہ کا جو لنگر ہوتا ہے، جیسے اُن کی عید ہو جاتی ہے اور انہوں نے کبھی کسی سے پیسہ نہیں مانگا۔ یہ جمعہ کا جو لنگر ہوتا ہے اس پر دو ڈھائی ہزار روپیہ کا خرچہ ہے، کبھی نہیں مانگا، نہ کسی کو کہا کہ یہ دو وہ دو، حالانکہ اتنے پروجیکٹس ہیں، پبلی کیشنز ہیں۔ آخر لوگ سوچتے ہیں کہ بھئی یہ اتنی کتابیں ہیں، ایک ایک کتاب چھ چھ دفعہ چھاپی گئی ہے۔ لاکھوں روپے کا خرچہ ہے، یہ کہاں سے آیا۔ جس کا فرض ہے وہ سمجھے، نہیں سمجھے تو انہیں کوئی پرواہ نہیں۔

تو اب میں یہاں ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو برکتیں دے۔ یہ ہماری محفل قبول کرے، نور کی بارشیں فرمائے۔ خدا آپ سب کو سکھی رکھے۔ جہاں کہیں بھی ہوں۔ اللہ سُنے نہ سُنے، میں مجبور آدمی ہوں۔ اب مجھ

پر بڑھاپا ہے۔ بیماریاں ہیں، دم اور طاقت نہیں ہے، لیکن آپ کی محبت میں بیان کرنے آجاتا ہوں۔ ربنا اتنا فی الدنیا حسنتا و فی الاٰخرۃ حسنتًا و قنا عذاب النّار ٥

اے اللہ! تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت پر کرم فرما۔ پنجتن پاک کے مراتب و درجات بلند سے بلند فرما۔ لمے اللہ تُو میرے روحی بچّے اور بچّیاں، جو جو، جس وجہ سے پریشان ہیں، اے اللہ میں بوڑھا آدمی ہوں، کمزور آدمی ہوں، میں اُن کے غم کو برداشت نہیں کر سکتا۔ میں نے اب تک جو خیر کی دُعائیں کی ہیں ان کو قبول فرما۔ ان پر عنایتوں کی نظر فرما۔ اور بد دُعائیں جو کی ہیں جن کے لئے، اُن کو بھی قبول فرما۔ دشمنوں کو تباہ کر، اُن کے مُلکوں کو تباہ کر، ہمارے اندر جو دشمن ہیں ان کو تباہ کر اور مسلمانوں کو عزت عطا فرما۔ ان کی ذلّت کو عزّت میں بدل، مگر پہلے ان کو سچّا اور پکا مسلمان بنا دے۔ اور اے اللہ! میری پیاری رابعہ قلندرہ کے درجات و مراتب بلند کر، اے اللہ، جو یہ خدمت کر رہی ہیں، یہ بے مثال ہے، بے نظیر ہے۔ میں نے نہیں دیکھا کہیں بھی، میں نے نہیں دیکھا کہ میرے بعد، میرے یہاں اسی طرح کا سسٹم تھا، میں کسی سے چندہ وغیرہ نہیں لیتا تھا، حالانکہ میں چاہتا تو سب کچھ ہو سکتا تھا۔ لیکن اس کے بعد میں نے یہاں دیکھا کہ یہ ہو رہا ہے، میں اتنا امیر آدمی تو نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہر پریشانی اور دُکھ سے محفوظ رکھے۔

اے اللہ! ان کے صدقوں کو قبول کر، ان کے بچّوں کو صحت دے

اور عارف کو صحت دے اور بھی جو بیمار ہیں ان کو بھی صحت دے۔ آمین

اب وہ پنکھا اٹھا کر لے آئیں میرے حجرے سے، بالکل کونے میں رکھ دیں۔ کافی فاصلہ ہے اب آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں، یہ چلتا ہے چلتا رہے گا اور دوسری طرف سے یہ کیا بہار دے رہی ہے۔ پنکھا چلتا ہے، وہ رقص کرتی ہے۔ تو اللہ کے بندوں کی یہ باتیں ہیں، یہ نشانیاں ہیں، میرا بیٹا جو ہے یہ حامد، ایک دن اس کی .C.C.U میں ڈیوٹی تھی، ایک مریض کی حالت اتنی خراب تھی کہ دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اس مریض کی بیوی نے باہر آکر کہا یہ آدمی (شوہر) غلط ہے۔ یہ اٹھائیس دن ہو گئے ہیں مجھ سے اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ ڈاکٹر صاحب! میں آپ سے کیا چھپاؤں۔ اس نے کوئی گناہ نہیں چھوڑا دنیا میں۔ اب حالت اس کی یہ ہے کہ جان نہیں نکلتی۔ میں آپ کو کہہ رہی ہوں کہ کوئی ٹیکہ ایسا لگا دیں کہ جان نکل جائے۔

ڈاکٹر حامد نے کہا کہ یہ Medical Ethics (طبی اخلاقیات) کے خلاف ہے۔ پھر کہا اچھا، آپ اس کا سینہ صاف کر دیں، خوشبو وغیرہ لگا دیں، اسٹاف دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگے میں نے حضور کی تسبیح جو تھی وہ اس کے سینے پر رکھ دی اور دو منٹ بعد وہاں یعنی (.E.C.G) پر Straight Line آگئی اور اس کی موت واقع ہو گئی۔ ٹھیک دو منٹ بعد۔

تسبیح میری تھی، کلام اللہ کا تھا اس پہ پڑھا ہوا، ہاتھ میرے

لگے ہوئے تھے، کئی چیزیں شامل تھیں۔عقیدہ بڑی چیز ہے۔

(اب وہ پنکھا) یہاں کسی بڑی چیز پر رکھ دیں، تاکہ دیکھ سکیں، ذرا اس طرف رکھو کہ ہم بھی نظارہ کریں، ہم نے کیا گناہ کیا ہے، اب آپ پانچ پانچ چھ چھ کی ٹولیاں آکر دیکھ لیں، مرد حضرات، یہ دیکھیں انگوٹھی جا رہی ہے، آپ ویسے کوشش کریں تو اندر نہیں جا سکتی، بڑی بات ہے آپ کوشش بھی کریں تو اندر نہیں جا سکتی۔ جو دیکھ چکیں وہ پیچھے ہٹ جائیں، دوسروں کے لئے جگہ چھوڑ دیں۔ یہ میری قلندرہ کی انگوٹھی ہے، یہ پہنی ہوئی تھی انہوں نے۔ جذب میں آکر ہوا میں رقص کرتی رہیں۔ پھر اتنی دور یہ پنکھا گھوم رہا تھا اور یہ گھوم رہی تھی۔ اور بھی دیکھ لو۔ بیٹے آرام سے، آگے آکر، راستہ چھوڑتے جاؤ، آپ ویسے کوشش کریں، اندر نہیں کر سکتے یہ دیکھیں کیسے جا رہی ہے۔کم از کم ایک چکر لگاتے ہوئے دیکھیں۔عورتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی عزیزی' ولی ہوتی ہیں۔ یہ مردوں نے شور مچایا ہوا ہے کہ عورتیں کچھ نہیں، عورتیں بھی مردوں سے بڑھ جاتی ہیں، یہ بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر بھی کرم کیا ہوا ہے۔ ورنہ رابعہ بصری نہ ہوتیں۔

دیکھ لیا اندر سب نے، عورتوں نے سب نے دیکھ لیا، اگر شرما رہی ہیں تو پنکھا اندر بھجوا دوں، یہ اندر بھی لگ سکتا ہے، اگر اندر دیکھنا چاہتی ہیں تو پنکھا اندر لگوا دیجئے۔ سب نے دیکھ لیا؛ لیکن اندر سے کسی نے نہیں کہا کہ دیکھ لیا جی۔ اچھا تو اب مردوں میں جو صاحبان دیکھنا چاہتے ہیں وہ آتے جائیں اور دیکھتے جائیں۔ پانچ پانچ اور چھ چھ کی

ٹولیاں بنا کر، طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ آپ لوگ ان کے لئے دُعائے خیر کریں۔ یہاں سائنس کیا کرے۔ سائنس کیا کرے۔ اتنی دور پنکھا پڑا ہوا ہے، اُس کونے میں یہ پنکھا پڑا ہوا تھا۔ یہ انگوٹھی خوبصورت کتنی لگ رہی ہے اس کی جو چال ہے

سلام اُن خاک نشینوں پہ سوگواروں کا
غریب دیتے ہیں پُرسا تھارے پیاروں کا
سلام تم پہ ہمارے رسُول کے پیارو
سلام تم پہ علی و بتول کے پیارو
سلام اُن پہ جو زحمت کشِ سلاسل ہیں
مصیبتوں میں امامت کی پہلی منزل ہیں
سلام اے محسن اسلام کے خستہ تن لاشو
سلام تم پہ شہیدوں کے بے کفن لاشو
سلام اُن خاک نشینوں پہ سوگواروں کا
غریب دیتے ہیں پُرسا تمھارے پیاروں کا

حضور خواجۂ خواجگان خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے دو شعر حضور عالی مقام کی شان میں کہے، جن کا بدل آج تک نہیں ہے۔ وہ شعر یہ ہیں ؎

شاہ است حسین علیہ السلام، بادشاہ است حسین علیہ السلام
دین است حسین علیہ السلام، دینِ پناہ است حسین علیہ السلام

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ الا اللہ است حسین علیہ السلام

پھر دوسرے شعر میں فرمایا ہے

قتلِ حسین علیہ السلام اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اُس حسین علیہ السلام ابنِ حیدر پہ لاکھوں سلام
اُس حسین علیہ السلام ابنِ حیدر پہ لاکھوں سلام

اختر رضا لائبریری
کتاب نمبر
صدر بازار، لاہور چھاؤنی